بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲ء مطابق ۱۲ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ | شمارہ نمبر ۲۱

اس شمارے میں

شعروادب		
جو ہے راہ عمل میں گامزن.....	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۴
اداریہ		
حلم و بردباری	شمس الحق ندوی	۵
نشانِ راہ		
دینی مدارس۔ بقائے انفع کا قانون	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
خالق کونین		
اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مطلقہ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۲
حالات حاضرہ		
مذہبی تعلیمات وشعائر اور مسلمان	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۶
فکر معاصر		
مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۱۸
دین وعقیدہ		
مکاتب کا نظام: وقت کی ضرورت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۱
راہِ عمل		
ملک میں مسلمانوں کی ذمہ داری	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۳
صحبتے با اہل دل		
دلوں پر قرآنی آیات کے اثرات	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۴
نقد ونظر		
مولانا در یابادیؒ: احوال وآثار	نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی	۲۵
رسید کتب		
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۹
ارشاد وتذکیر		
صبر وبرداشت اور اسلامی تعلیمات	مولانا محمد طارق نعمان	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ₹30/= جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوبِ فطرت ہے

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا
مرا آئینۂ دل ہے قضا کے راز دانوں میں

رُلاتا ہے ترا نظّارہ اے ہندوستاں ! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ میں گلچیں !
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنا دل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

سن اے غافل صدا میری ! یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں ! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک ؟ لذتِ فریاد پیدا کر!
زمیں پر تُو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے ، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن ،محبوبِ فطرت ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

حلم وبردباری

شمس الحق ندوی

قیامت تک کے لیے ملتِ اسلامی کے مصلحین اور رہبروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ہر حیثیت سے مثال و نمونہ بنایا ہے۔ چونکہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی، اب اس کارِ نبوت کو آپؐ کی امت کے دعاۃ، مصلحین اور رہبران انجام دیں گے، لہٰذا ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بھی پایا جانا ضروری ہے۔ حلم وضبطِ غضب بھی انہی صفاتِ عالیہ میں سے ہے؛ جس کا ہر مصلح ورہبر میں پایا جانا ضروری ہے۔ کسی بھی رہبر، عہدہ دار، اور ادارہ کے ذمہ دار کے لیے ضروری ہے کہ اس میں حلم وبردباری کی اہم وضروری صفت پائی جاتی ہو، اس کے بغیر وہ اپنے منصب کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

نبی کریم علیہ والصلوۃ والتسلیم کے حلم وبُردباری کا ایک اعلیٰ نمونہ حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ: نبوت کی علامتوں میں سے کوئی علامت ایسی نہیں جس کو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ دیکھ لیا ہو، بجز دو علامتوں کے، جن کی اب تک نوبت نہیں آئی؛ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری علامت یہ کہ آپؐ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا، اتنا ہی آپؐ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان علامتوں کے دیکھنے کا منتظر رہا، اور خدمتِ اقدس میں آمد ورفت بڑھاتا رہا۔ ایک دن آپؐ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، حضرت علیؓ آپؐ کے ساتھ تھے، کہ بدوی جیسا ایک شخص آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری قوم مسلمان ہوچکی ہے، اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہوجاؤ گے تو تم کو بھرپور رزق ملے گا، اور اب یہ حالت ہے کہ قحط پڑ گیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نکل نہ جائیں، اگر رائے مبارک ہو تو ان کی کچھ مدد فرمادیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف دیکھا، وہ غالباً حضرت علیؓ تھے، انھوں نے عرض کیا: حضور موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زید جو اس وقت تک یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے، کہنے لگے کہ محمدؐ! اگر آپ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقتِ معین پر دے دیں تو میں قیمت پیشگی دے دوں، اور وقتِ معین پر کھجور لے لوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ تو نہیں۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کرسکتا ہوں۔ میں نے اس کو قبول کرلیا، اور کھجوروں کی قیمت ۸۰/ مثقال سونا دے دیا۔ آپؐ نے وہ سونا بدوی کو دے دیا، اور فرمایا: انصاف کی رعایت رکھنا۔

زید کہتے ہیں کہ ابھی کھجوروں کی ادائیگی کے دو تین دن باقی تھے، حضورؐ چند صحابہؓ کے ساتھ جن میں ابوبکر، عمر، عثمان بھی تھے، کسی جنازہ سے فارغ ہوکر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپؐ کے کرتے اور چادر کے پلّو کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ محمدؐ! آپ میرا قرض ادا نہیں کرتے، خدا کی قسم! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں، بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا، اور کہا: اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہایت سکون سے دیکھ رہے تھے، اور تبسم آمیز لہجہ میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ: عمر! میں اور یہ ایک چیز کے زیادہ محتاج تھے؛ وہ یہ کہ مجھے حق ادا کرنے میں خوبی اختیار کرنے کو کہتے، اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ! اس کا حق ادا کردو، اور جو تم نے اس کو ڈانٹا ہے، ۲۰/ صاع کھجوریں زیادہ دے دینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے، اور پورا مطالبہ اور ۲۰/ صاع کھجوریں زیادہ دے دیں۔ میں نے پوچھا: یہ ۲۰/ صاع کیسے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔ زید نے کہا کہ: عمر! مجھے پہچانتے ہو؟ انھوں نے فرمایا کہ: نہیں۔ میں نے کہا: میں زید بن سعنہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہی جو یہود کا بہت بڑا عالم ہے؟ میں نے کہا: ہاں! میں وہی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہوکر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا: علاماتِ نبوت میں

سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپؐ کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا۔ اب دونوں کا بھی امتحان کرلیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں، اور میرا آدھا مال امتِ محمد یہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے، اسلام لائے، بہت سے غزوات میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ غزوۂ تبوک میں شہید ہوکر اپنے رب سے جا ملے۔

ہم نے اپنے شیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ایک نوجوان حضرت کے پہلو میں اس طرح بیٹھے جیسے وہ حضرت کے ہمسر ہوں، اور اپنے فکرِ خام کی باتیں کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو صوفی انیس صاحب نے جو حضرت کی خدمت میں برابر حاضر رہتے' کہا: حضرت! ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ حضرت نے فرمایا: ان کا بس چلے تو مجھے قتل کردیں۔ لیکن حضرت ان کی باتیں پورے حلم کے ساتھ سنتے رہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ وہ صاحب مع اپنے رفقاء کے جیل میں داخل کردیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة.

اپنے موجودہ شیخ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے حلم و برداشت کو دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے، چہرے پر ناگواری کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بارك الله فی حیاته و نفع به الأمة الاسلامیة.

☆☆☆☆☆

جس کی نیت خیر نہیں، اس کے لیے خیر و برکت نہیں

علامہ سید سلیمان ندویؒ

دنیا کے تمام مذہبوں میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو علم کے ساتھ مبعوث ہوا ہے اور جو حکمت دے کر بھیجا گیا ہے، اسکے نزدیک نسل انسانی کا آغاز ہی علم سے ہوا ہے اور اسی کے ذریعہ آدم کے سر پر کرامت کا تاج رکھا گیا ہے۔ وہ عرب جن کی نادانی اور جہالت ضرب المثل تھی، وہ اس دین کو پاکر علم و حکمت کے سرمایہ دار اور اسرار و رموز الٰہی کے امانت دار ہوگئے، وہ قریش جن میں مؤرخ بلاذری کے بیان کے مطابق بعثت نبویؐ کے وقت صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسلام کی روشنی سے پرنور ہوکر ساری دنیا کے استاد اور معلم ہوگئے، اسلام عرب کے ریگستان سے نکل کر دنیا کے جس حصہ میں پہنچا، اس کو علم کی روشنی سے منور کردیا، مصر، شام، عراق، ایران، خراسان، افریقہ، مغرب، اسپین، ان سب میں علم کی بہاریں آئیں، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے اپنے رسولؐ کی معرفت سے علم کا جو خزانہ پایا تھا، اس کو ربع مسکون میں بانٹا، آج انہی کی کوششوں کا صدقہ ہے کہ سرزمین عرب سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر ہمارے علماء علم و عرفان کی دولت تقسیم کررہے ہیں۔

مدینہ کی وہ چھوٹی سی مسجد جو مسجد نبویؐ کے نام سے مشہور ہے، اسلام کی پہلی درسگاہ ہے، وہی حق کی عبادت کا مقام اور علم کی اشاعت کا مرکز تھی، جہاں جہاں بھی مسلمان پھیلے، ان کی عبادت گاہیں ہی علم کی درسگاہ بنیں، یہاں تک کہ چوتھی صدی میں خراسان میں مدرسوں کے نام سے الگ عمارتوں کے بننے کا رواج ہوا، جہاں تک ضرورتوں کا تعلق ہے، یہ علیحدگی تمدن کی وسعت کا لازمی نتیجہ تھی، لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے، اس کو نہ بھولنا چاہیے کہ ہماری عبادت گاہ ہی ہماری درسگاہ ہے، اس کا یہ منشا ہے کہ ہمارا علم، ہماری عبادت کا ایک حصہ ہے، اس لیے جس طرح ہماری عبادت صرف خدا کے لیے ہونی چاہیے، اسی طرح ہمارا علم بھی خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے، کیونکہ اسلام میں علم کی غرض و غایت نہ تو نوکری اور خدمت ہے اور نہ امتیاز و شہرت ہے، نہ ذریعہ رزق اور دنیا طلبی ہے، بلکہ اس سے مقصود صرف خدا کی معرفت اور اس کے احکام اور شرائع سے واقفیت ہے اور اس کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کی طلب ہے، اس لیے ہر وہ شخص جس کے علم کی غرض و غایت یہ نہیں، وہ سچا عالم بھی نہیں آپ کو ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ والی وہ روایت یاد ہوگی، جس کو بیان کرتے ہوئے ان پر غشی طاری ہوجاتی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن جب علماء سے پوچھے گا کہ تم نے علم پڑھ کر کیا کیا اور وہ جو جواب دیں گے، اس پر خدا ارشاد فرمائے گا کہ تم نے تو علم اس لیے پڑھا تھا کہ تم کو عالم کہا جائے تم کو دنیا میں عالم کہا جاچکا اور تم اپنی مزدوری پاچکے۔

احادیث میں علمائے سوء کی جو برائیاں آئی ہیں، ان سے آپ میں سے کون واقف نہیں، ہر قدم پر ہم کو اور آپ کو خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے کہ وہ ان برائیوں سے محفوظ رکھے، ایک عالم دین کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کا رشتہ مستحکم ہو، اس کے علم و عمل کا ہر قدم خدا کے لیے اٹھے، اس کی سعی و کوشش کی ہر حرکت کا مرکز خدا کی رضا و خوشنودی کی طلب ہو، اس کا علم پہلے اس کے لیے ہو، پھر دوسروں کے لیے، "اتّعظ ثم عظ" کا موقع اس کے سامنے ہو، جس کا معاملہ خدا کے ساتھ درست نہیں، جس کی نیت خیر نہیں، جس کا عمل اخلاص پر نہیں، اس کے لیے خیر و برکت نہیں۔

☆☆☆

نشانِ راہ

دینی مدارس - بقائے انفع کا بے لاگ قانون

۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۷۳ء کو جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں کی گئی ایک اہم تقریر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کہنے کی باتیں بہت ہیں

اس وقت آپ سے کہنے کی باتیں بہت ہیں، ہم آپ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی جتنی درسگاہیں ہیں، خواہ وہ ہندوستان میں ہوں، خواہ وہ مصر وشام میں ہوں، خواہ وہ مراکش، الجزائر اور ٹیونس میں ہوں، سب کے طلبہ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، یہ کشتی اس وقت ایک متلاطم سمندر میں ہے، اس کا گرداب بلا اور اس کا بھنور بہت سخت ہے، اس میں اس وقت طوفان آیا ہوا ہے، اور بڑے بڑے جہاز جو بڑے بڑے انتظامات سے مسلح ہیں، اور جن کے تحفظ کا پورا سامان کیا گیا ہے، اور جو سمندر کے رخ پر بہہ رہے ہیں، وہ بھی اس وقت تلاطم میں ہیں، وہ اس وقت ایک خطرہ محسوس کرتے ہیں چہ جائیکہ ہم اور آپ جو دریا کے رخ کے بالکل خلاف اپنی کشتی کو لے جارہے ہیں، اس لیے ہم کو آپ کو بہت سنجیدگی کے ساتھ اپنے مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔

دو فریق

اس میں ایک فرق تو وہ ہے جو دینی مدارس کے مستقبل سے بالکل مایوس ہے، ان کی افادیت کا منکر ہے، اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس غرض کے لیے ہیں، اور یہ کیا خدمت انجام دیں گے، اور ان کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں، ان کے پاس بدلے ہوئے زمانے کے لیے کوئی پیام ہے، یہ اپنے اندر کوئی افادیت رکھتے ہیں، ان کے اندر باقی رہنے کی بھی صلاحیت ہے؟

ایک فریق وہ ہے کہ جو بالکل خوابِ غفلت میں مدہوش ہے، وہ حقائق کو بالکل نہیں سوچتا، وہ یہ سمجھتا ہے کہ جیسے آج سے چار سو برس اور چھ سو برس پہلے کا زمانہ ہے، جامعہ نظامیہ بغداد کا زمانہ ہے، جامعہ نظامیہ نیشاپور کا زمانہ ہے، یا کم سے کم درس نظامی فرنگی محل کا زمانہ ہے، اس کو کسی تغیر و انقلاب کی خبر نہیں، یا اگر خبر ہے تو اس نے اپنے کو اس سے بالکل بے تعلق بنا رکھا ہے، جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ شتر مرغ ریت میں اپنا سر دھنسا دیتا ہے، اور خارجی دنیا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، اور پھر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوتا ہے، جب وہ نہیں دیکھتا تو سمجھتا ہے کہ کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے، یہ دونوں فریق دو سروں پر ہیں، دونوں دو مختلف انتہاؤں پر ہیں، جسے ہماری درسی زبان میں "علیٰ طرفی نقیض" کہتے ہیں، ان میں کوئی بھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لے رہا ہے، اور کسی کی بھی راہ، اعتدال کی راہ نہیں ہے۔

زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے

آپ سے کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے، اور اس کے لیے کسی بڑے انکشاف اور کسی بڑی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ زمانہ بہت نازک ہے، اور زمانہ بہت تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے، بلکہ بدل چکا ہے، اور اس کے بعد بھی وہ ایک جگہ پر رُکا ہوا نہیں ہے، بلکہ بدلتا چلا جارہا ہے، اس لیے ہمارے مدارس کے طلبہ کو اِن دونوں فریقوں سے بالکل ہٹ کر ٹھنڈے دماغ سے اور بہت صبر وسکون اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ ان کا مستقبل کیا ہے، اور وہ کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

مذہب کوئی عجائب خانہ اور میوزیم نہیں

یہ میں آپ سے کہہ دوں کہ کسی نظام کو محض روایات پرستی، محض قوتِ مقابلہ اور محض اصرار اور انکار کے ساتھ باقی نہیں رکھا جاسکتا، کوئی صالح سے صالح نظام ہو، اس کو محض روایت پرستی پر اور ایک مقدس ورثہ کے طور پر، آثارِ قدیمہ کے طور پر باقی نہیں رکھا جاسکتا، دنیا میں آثار قدیمہ کی گنجائش تو ضرور ہے، اور آپ نے بڑے بڑے شہروں میں آثارِ قدیمہ کے مرکز دیکھے ہوں گے، وہاں زندہ عجائب خانے بھی ہیں، اور مردہ عجائب گھر بھی ہیں، ایسے آثار قدیمہ دنیا میں نہ صرف یہ کہ باقی رکھے جاتے ہیں، بلکہ ان کو سینے سے بھی لگایا جاتا ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا قطعۂ زمین مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور ان کے لیے حکومت کے بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ بھی مخصوص کر دیا جاتا ہے، یہ صحیح ہے، لیکن اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی حیثیت ایک بے ضرر، ایک غیر متعلق، ایک قابلِ زیارت، قابلِ دید، تفریح کے ایک سامان یا قدیم یادگاروں کے ایک مجموعہ کی ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، ان کو

اس لیے نہیں رکھا جاتا کہ زندگی میں ان کی ضرورت ہے، ان کے بغیر کام نہیں چلتا، وہ ایک بہت اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، بالکل نہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ اس مشغول زندگی میں کبھی کبھی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، تو ان سے تفریح حاصل ہوتی ہے، یا پھر قدیم تاریخ پر فخر کرنے کا ایک موقع ملتا ہے کہ قدیم عظمت کا وہ نشان ہے، کسی قوم، کسی ملک کے ایک دور کی تہذیب کا مرقع ہے، اگر آثارِ قدیمہ کے اندر احساس ہوتا یا جن کی طرف ان آثارِ قدیمہ کی نسبت ہے، وہ اگر زندہ ہوتے تو ہرگز اس صورتِ حال پر خوش نہ ہوتے۔

یہ پوزیشن کوئی زندہ اور صاحبِ دعوت قوم قبول نہیں کرسکتی

کوئی زندہ جماعت جو پیام رکھتی ہے، جس کا ایک مقام ہے، جس کو بعض حقیقتوں پر اصرار ہے، جس کو بعض چیزوں سے انکار ہے، جس کا اپنا ایک راستہ ہے، جس کو خدا نے روشنی عطا کی ہے، جو کچھ چیزوں کو غلط سمجھتی ہے، کچھ چیزوں کو صحیح سمجھتی ہے، وہ ہرگز اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کے لیے کوئی جگہ مخصوص کردی جائے، اور اس کو بے ضرر سمجھ کر وہاں رہنے کا موقع دیا جائے، جیسا کہ فراعنہ قدیم کی لاشیں ممّی کی ہوئی مصر میں رکھی ہوئی ہیں۔

عربی مدارس آثارِ قدیمہ کے طور پر

جو لوگ عربی مدارس کی وکالت اور ان کی سفارش اس انداز سے کرتے ہیں کہ بھئی آپ کے یہاں بڑے بڑے میوزیم ہیں، آپ کے یہاں بڑے بڑے دارالآثار ہیں، برطانوی قوم کا حال یہ ہے کہ اس کو سب سے زیادہ شغف میوزیم سے ہے، شاید جتنے بڑے بڑے میوزیم لندن میں ہوں، دنیا کے کسی شہر میں نہ ہوں، اس لحاظ سے یہ عربی مدرسے آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے باقی رکھے جائیں تو میں کم از کم ایسی پوزیشن کو ہرگز قبول کرنے پر تیار نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جس نظام کی وکالت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے کی، جس کے لیے ندوۃ العلماء کی درسگاہ قائم ہوئی، جس سے ہم سب لوگوں کو تعلق ہے، اس کی بنیاد ہرگز اس پر نہیں تھی، یہ رحم کی کوئی درخواست نہیں تھی، یہ رحم کے لیے کوئی استغاثہ نہیں تھا کہ صاحبو! بہت سی چیزیں آپ نے چھوڑ دی ہیں، قبرستان بھی باقی ہیں، بڑے بڑے آباد اور ایسے شہر میں کہ جہاں پر ایک گز زمین کا ملنا بھی مشکل ہے، وہاں پر بہت بڑے رقبہ میں قبرستان پڑے ہوئے ہیں، اور وہ ایک بہت بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہیں، آپ کا کیا حرج ہے، اگر آپ ان مدرسوں کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں، کم سے کم میں اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔

بہرحال ایک فریق تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ مدرسے اپنی افادیت اور اپنی زندگی کی صلاحیت ختم کرچکے ہیں، اور اب ان کو آثارِ قدیمہ کے طور پر باقی رکھنا چاہیے، تو میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اوّل تو میں اس پوزیشن کو قبول نہیں کرتا، دوسرے یہ کہ دنیا میں جو اس مقام پر آجائے جو اپنے لیے یہ مقام پسند کرلے، اس کے لیے پھر زندگی کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی، آج اگر ان قبرستانوں کو لوگوں نے کسی وجہ سے چھوڑ رکھا ہے تو کل ان کو نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ آپ دیکھ لیجیے کہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا قبرستان کتنا بڑا تھا، اس کے دیکھنے والے یہاں بھی موجود ہوں گے، میں بھی جب شروع میں دہلی جایا کرتا تھا، دہلی کی سیر کرتا تھا، تو ایک لق ودق میدان تھا، ہزاروں ہزار قبریں تھیں، اب ان کو تلاش کرتے رہیے، اب جہاں حضرت خواجہ کا مزار ہے، اس کے آس پاس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے، اس لیے کہ شہر کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں، اور شہر کی ضرورت کو ایک حقیقت سمجھا جاتا ہے، اور یہ چیز محض ایک رعایت اور مجبوری کے دائرہ میں آتی ہیں، اور رعایت ومجبوری حقیقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لیے اوّل تو ان مدارس کی یہ پوزیشن صحیح نہیں، دوسری بات یہ کہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ان چیزوں کو رواں دواں اور حقیقت پسند زندگی (وہ زندگی جو زندگی کی صلاحیتوں سے نہ صرف معمور بلکہ مخمور اور مدہوش ہے، اور جو کسی کو قبول کرنے یا اپنے حصہ میں سے حصہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے) زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتی۔

محض قدامت اور تاریخ کے سہارے پر کوئی ادارہ زندہ نہیں رہ سکتا

دنیا میں کوئی ادارہ محض اس وجہ سے نہیں چل سکتا کہ یہ ادارہ آج سے سو برس دوسو برس پہلے قائم ہوا، اور اس نے کچھ مفید خدمت

انجام دی تھی، محض تاریخ کے بل پر، محض تاریخ کے سہارے کوئی ادارہ، کوئی تحریک، کوئی فلسفہ، کوئی نظام نہ چلا ہے، نہ چلے گا، اگر آپ کسی ادارے کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے لیے کچھ مراعات حاصل کرنے کے لیے اس کی تاریخ پیش کرتے ہیں کہ اس نے دور ماضی میں یہ خدمات انجام دیں، تو لوگ اس کو بالکل نہیں سنیں گے، اور اگر کوئی آج خاموش ہوجائے گا، تو کل اس کے اندر سے نہایت پُرزور اور پُرجوش تقاضہ پیدا ہوگا کہ اس کو ختم کردینا چاہیے۔

بقائے انفع کا بے لاگ قانون

اللہ تعالیٰ کا جو نظام اس کائنات میں جاری و ساری ہے، جو ہمیں قرآن مجید اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ بقائے انفع کا قانون ہے، یوں تو اس وقت دنیا نے جس قانون کو تسلیم کیا، وہ بقائے اصلح کا قانون ہے (SURVIVAL OF THE FITTEST) لیکن حقیقت میں قرآن مجید سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ ہے ''بقائے انفع'' کا قانون، صاف صاف قرآن مجید میں ہے، سورۂ رعد کی آیت ہے، آپ نے پڑھی ہوگی، اور اس کی تفسیر بھی دیکھی ہوگی: ''فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً، وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ، کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ'' جس چیز میں کوئی نافعیت نہیں، جس چیز میں کوئی پیام نہیں ہے، جو چیز کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے رہی ہے، جس پر انسان کی بقاء اور نشو ونما اور انسان کی راحت اور ترقی کا کوئی انحصار نہیں ہے، اس کو قرآن مجید نے ''زبد'' کے لفظ سے ادا کیا ہے، جو بہت ہی جامع اور نہایت وسیع اور عمیق لفظ ہے، اور معانی سے لبریز ہے، ''زبد'' پھین کو کہتے ہیں، یعنی دریا کا وہ جھاگ جو اپنے اندر کوئی ہستی نہیں رکھتا، جس کے اندر ثبات واستقامت کی کوئی صلاحیت نہیں، وہ دریا کے جوش کی ایک نمود ہے، دریا کے جوش کا ایک خارجی ظہور ہے، اس کے اندر کوئی استقرار نہیں، کوئی صلابت نہیں، بس ایک پھولی ہوئی سی چیز ہے، جس کے اندر ہوا بھر گئی ہے، یا یہ کہیے کہ نیچے کا جو میل کچیل تھا، وہ اوپر آ گیا ہے، اس کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، وہ اوپر اوپر بہہ جائے گا، یا کنارہ پر جا کر کہیں کسی چیز سے اٹک جائے گا اور باقی نہیں رہے گا، اس لیے کہ اس میں باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ''زبد'' زیادہ دنوں تک باقی رہے، اس لیے کہ یہ عالم اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ اس میں ''زبد'' کی سمائی ہو، اگر دریاؤں کا جھاگ اور پانی کا پھین اس طرح باقی رہنے لگے تو جن کو باقی رہنا چاہیے، ان کے لیے مشکل ہوجائے ''وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ'' لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہے ''فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ'' وہ ٹھہر جاتی ہے۔

زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے

اگر ہمارے مدارس یہ چاہتے ہیں کہ وہ باقی رہیں، اور وہ اس زندگی میں اپنی جگہ بنانا چاہتے ہیں، زندگی کا استحقاق ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنے اندر نافعیت پیدا کرنی چاہیے، یعنی ان کو اپنے جوہر کا ثبوت دینا چاہیے، ان کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ زندگی کی کوئی ضرورت ہے، جو ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی، اس لیے کہ زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے، اور ہر زمانے میں سمجھتا رہا ہے، اس کے لیے ترجمہ کی ضرورت نہیں، وہ آپ عربی میں کہیے تو زمانہ سمجھے گا، انگریزی میں کہیے تو سمجھے گا، اور زبان بے زبانی میں کہئے تو سمجھے گا، گونگا اس کو کہے گا، اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا، اور اگر اپنے زمانے کا کوئی سحبان اور کوئی لسّان اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا، زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع کی زبان ہے، وہ زندگی کے استحقاق کی زبان ہے، زندگی جیسا کہ اقبال نے کہا ہے، ایک جدوجہد ہے، زندگی کوئی خیرات نہیں، زندگی تو خود حاصل کی جاتی ہے، آپ اس کا استحقاق پیدا کر لیجیے تو دنیا آپ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی، جرمنی کو دو دو ہولناک جنگوں کے بعد بھی اس لیے باقی رکھا گیا ہے کہ اس نے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا، اس کو ہمیشہ کے لیے کوئی ختم نہیں کرسکا، بہت سی قومیں دنیا میں ہیں جو بالکل ختم ہوگئیں، لیکن بہت سی قومیں ایسی ہیں جو بار بار شکست کھانے کے بعد بھی باقی ہیں، مسلمانوں نے تاتاریوں سے شکست کھائی اور ایسی شکست کھائی کہ شاید دنیا کی کسی قوم نے ایسی شکست نہیں کھائی تھی، لیکن چونکہ ان کے اندر ''مَا یَنْفَعُ النَّاسَ'' کا مادّہ تھا، وہ ایک پیام رکھتے تھے، وہ ایک زندہ دعوت رکھتے تھے، اس لیے تاتاریوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا، وہ تاتاریوں کے سامنے جھکے، ان کی تلوار کے سامنے جھکے، لیکن تاتاریوں کی تلواروں کو، دلوں کو، اور دماغوں کو، ان کی

نافعیت کے سامنے، اور ان کے پیام کے سامنے جھکنا پڑا۔

آج ہمارے دینی مدارس کے لیے ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ وہ زندگی کا استحقاق ثابت کریں، اپنا امتیاز ثابت کریں، وہ یہ ثابت کریں کہ اگر وہ نہ رہے تو زندگی بے معنی ہوجائے گی، یا زندگی ناقص ہوجائے گی، اور کم سے کم اس میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگا، جس کو اور کوئی پُر نہیں کرسکتا، باقی رحم کی درخواست نہ کبھی دنیا میں سنی گئی ہے، نہ کبھی سنی جاسکتی ہے، اور یہ زمانہ تو جمہوریت کا ہے، اس میں تو اب بالکل اس کی گنجائش نہیں رہی کہ ہم یہ کہیں کہ بھائی ہمیں فلاں حکومت نے باقی رکھا، فلاں حکومت نے باقی رکھا، ہم فلاں دور میں باقی رہے، فلاں دور میں باقی رہے، آپ بھی ہمیں باقی رکھئے، یا آپ یہ کہیں کہ ہم نے جنگ آزادی میں اتنا حصہ لیا تھا، ہمارا استحقاق ہے، اس کو اب دنیا ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

آپ ایک اہم محاذ پر تعینات ہیں

آپ یہ ثابت کیجیے کہ آپ ایک ایسے مورچے اور زندگی کے ایک ایسے محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ اگر آپ نے وہ محاذ چھوڑ دیا تو اس کو سنبھالنے والا کوئی نہیں، آپ ثابت کریں کہ آپ اخلاق کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ روحانیت کے محاذ پر کھڑے ہیں، خدمتِ خلق کے محاذ پر کھڑے ہیں، علمی بلندی کے محاذ پر کھڑے ہیں، علمی تحقیق کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ نے اگر اپنی جگہ چھوڑ دی یا آپ کو اپنے محاذ سے ہٹا دیا گیا، تو زندگی میں اتنا بڑا خلا پیدا ہوگا، جس کو نہ یونیورسٹیاں پُر کرسکیں گی، نہ علمی مجلسیں پُر کرسکیں گی، نہ کوئی اکیڈمی پُر کرسکے گی، اور نہ کوئی اور کوشش پُر کرسکے گی، یہ ہے خدا کا بنایا ہوا وہ ابدی قانون جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ: "فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً، وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ، كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ" پہلی بات تو یہ ہے کہ اب اس وقت ہمارے مدارس محض مسلمانوں کے جذبۂ خیر، مسلمانوں کی دین پسندی، اسلام پسندی یا محض مسلمانوں کے دین وشریعت کے احترام یا محض بعض علماء کی قربانی یا بعض علماء کی بزرگی کے بل پر قائم نہیں رہ سکتے، میں دل پر پتھر رکھ کر یہ الفاظ کہہ رہا ہوں اور خود مجھے اس سے تکلیف ہے، لیکن یہ حقیقت ہے، جس کا اظہار کم سے کم اس ادارہ کے طلبہ کے سامنے ہوجانا چاہیے، جس کے بانی نے زمانے کی نبض کو پہچانا، جس کے بانی نے سب سے پہلے اپنے دور میں یہ اعلان کیا کہ زمانہ بدل گیا ہے، زمانے کے جائز تغیرات کو واقعی تغیرات تسلیم کرنا چاہیے، اور اپنی افادیت ثابت کرنی چاہیے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فراست وبصیرت

حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جن کو آپ حضرات ایک شیخِ طریقت کی حیثیت سے جانتے ہیں، بے شک وہ ایک بلند پایہ شیخِ طریقت تھے، بہت اعلیٰ صاحبِ نسبت بزرگوں میں تھے، اور اس کی شہادت ان کے تمام معاصرین نے دی ہے، حضرت مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ان کے متعلق بہت بلند ہیں کہ اس کی بلندی تک ہماری رسائی ممکن نہیں، لیکن اس میں اضافہ کرتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ بصیرت عطا فرمائی تھی، وہ ادراک صحیح اور نورِ باطن عطا فرمایا تھا، جو بہت کم لوگوں کو ملا کرتا ہے، اور انھیں لوگوں کو ملتا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے۔

کرنے کے دو کام

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آپ دو طرح سے اپنی افادیت ثابت کرسکتے ہیں، اور اپنے وجود کو تسلیم کرا سکتے ہیں، اور زندگی کا استحقاق پیدا کرسکتے ہیں، ایک داخلی محاذ سے، ایک خارجی محاذ سے، داخلی محاذ تو یہ ہے کہ آپ علم میں کمال پیدا کریں، یہ بات میں آپ کو ایک ایسے جہاں گرد آدمی کی حیثیت سے بتاتا ہوں، اس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مجھے باہر جانے کا اتفاق بار بار ہوا، اور صرف باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا، بلکہ مجھے وہاں کی ان مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا جو تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوا کرتی ہیں، اور بعض اداروں سے میرا مستقل تعلق ہے، یہ میں نے اس لیے کہا کہ آپ اس گزارش کی قدر وقیمت سمجھیں، یہ کسی "عابر سبیل" رستہ گزرنے والے آدمی کی بات نہیں، یہ اس شخص کی بات ہے، جو ان مجلسوں میں بیٹھا ہے:

میرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق ومغرب کے میخانے
میں نے مشرق ومغرب کے میخانے دیکھے

ہیں، اس لیے آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ علم میں کمال پیدا کرنا خواہ وہ کوئی علم ہو، آپ کے لیے مفید ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عربی میں اور علومِ دینیہ میں کمال پیدا کریں گے تو جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

بھلا اس کمال کا قدردان کون ہے، یہ آپ کی بے خبری کی بات ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہاں سے لے کر امریکہ تک، یورپ تک، میکگل تک، اور آکسفورڈ اور کیمبرج تک ہر جگہ اس علم کی قدر ہے، بشرطیکہ آپ نے اس میں کوئی کمال حاصل کیا ہو، لیکن کمال کس کو کہتے ہیں، کمال شُد بُد کو نہیں کہتے، کمال ”کان یکون“ کو نہیں کہتے، کمال اس کو نہیں کہتے کہ آپ عربی کی عبارت پڑھ لیں اور سمجھ لیں، اس کا نام کسی نے بھی کمال نہیں رکھا، کمال وہ ہے جسے کہتے ہیں کہ ”جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے“، کمال وہ ہے جو اپنا اعتراف کرالے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ زمانے کے انقلابات و تغیرات کی یہ سب داستانیں بالکل بے بنیاد ہیں، وہ لوگ آپ کو بالکل دھوکا دیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے، آپ کہاں ہیں، کس چکر میں ہیں، آپ کہاں اپنا وقت کھو رہے ہیں، ارے بھائی! کالج، یونیورسٹی میں پڑھا ہوتا، سائنس پڑھی ہوتی، انگریزی لٹریچر پڑھا ہوتا، آپ نے اکانامکس کا مطالعہ کیا ہوتا، فزکس کا مطالعہ کیا ہوتا، ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کی ہوتی، یہ سب اَبلہ فریبی اور خام خیالی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، کمال آپ کسی چیز میں پیدا کریں اور امتیاز حاصل کرلیں، پھر آپ کو کبھی یہ شکایت نہیں ہوگی کہ زمانہ ہم کو نہیں پوچھتا، ہماری کوئی جگہ نہیں ہے، آج جو کچھ بھی آپ ہماری دینی تعلیم کا انحطاط دیکھ رہے ہیں، وہ بے کمالی کی وجہ سے ہے۔

(جاری)

☆☆☆☆☆

انسانوں کے کرب کا علاج شفاخانۂ نبویؐ میں

مولانا محمد اسحٰق جلیس ندویؒ

اس ملک میں مسلمان کم وبیش ایک ہزار سال سے رہتے ہیں، برادرانِ وطن سے بازار، محلّے، دفتر، اسکول، کالج غرض قدم قدم پر انہیں واسطہ پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کی خاصی تعداد اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں خطرناک غلط فہمیوں کا شکار ہے، مسلمانوں سے بعد ونفرت میں وہ اس حد تک مبتلا ہیں کہ ان کے نزدیک ایک مسلمان ایک مثقف وشائستہ، شریف وبااصول انسان نہیں ہوسکتا، اس بعد ونفرت کی آگ میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور ماضی کی سیاسی جدوجہد نے تیل کا کام کیا۔

برادرانِ وطن کی ایک محدود تعداد مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتی ہے، تاہم وہ اسلام کی دعوت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے قطعاً نا آشنا ہے، وہ امت جس کے نبی نے ”بلّغوا عنی ولو آية“ فرمایا، ”ألا فليبلّغ الشاهد الغائب“ ارشاد فرمایا، جہنم کی طرف لپکنے والے انسانوں کو کھینچ کھینچ کر ہلاکت سے بچایا، دنیا کے تمام انسانوں کو خدا کا کنبہ قرار دیا، اس ملّت نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو ان کی تعلیمات وارشادات کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ بنانے کے بجائے اپنے ذوق ونظر کی تسکین کا سامان اور اپنی تفریح کا مشغلہ بنالیا ہے، بیسویں صدی کے دنیا کے انسانوں کے کرب کا علاج اور زخم کا مرہم شفاخانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مہیا ہوسکتا ہے، لیکن اس نسخہ کیمیا کے امین ووارث انسانی برادری تک اسے پہنچانے میں مجرمانہ غفلت برت کر، ایک طرف تو عالم انسانیت کو فیض نبوت سے محروم کیے ہوئے ہیں تو دوسری طرف خود اپنے ملی وجود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

مسلمانوں کی اس غفلت نے اندلس میں ان کی آٹھ سو سالہ شان وشوکت، اقتدار وحکمرانی کے باوجود انھیں بے نام ونشان کردیا، اندلس کی سیکڑوں مسجدیں صدیوں سے اذان کو ترس رہی ہیں، اندلس میں مسلمانوں کے زوال کے بعد وہ عیسائیوں کے ہاتھوں جس ظلم وستم کا نشانہ بنے، اس کی نظیر ومثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، اندلس میں مسلمانوں کی تباہی، ان کے اقتدار وحکومت کے خاتمے اور ان کے وجود کے ناپید ہوجانے میں مختلف عوامل کام کررہے تھے لیکن گہری نظر سے تاریخ کا تجزیہ کیجیے تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج واقبال میں اسلام کی تبلیغ واشاعت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وتعلیمات کو اپنے برادرانِ وطن تک پہنچانے اور ان کے دل ودماغ کو دین کی دعوت سے متاثر کرنے میں بڑی غفلت برتی، یہی وجہ تھی کہ عیسائیت اپنے ماضی کی تاریخ اور مسلمانوں کی ان پر فتحیابی کا داغ نسل در نسل منتقل کرتی رہی اور ہر آنے والی نسل اسلام کی اعلیٰ روایات، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت سے بے خبر مسلمانوں سے انتقام لینے اور انہیں نیست ونابود کردینے میں کے جذبہ سے سرشار ہوتی گئی، تاریخ شاہد ہے کہ اندلس کے مسلمانوں پر پھر وہ گذری کہ جس کا وہم وخیال بھی کبھی انہیں اپنے دورِ عروج میں نہ ہوا ہوگا۔ ☆☆☆

خالق کونین

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مطلقہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

"أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا" [الکہف:۱۰۲] (کیا پھر بھی کافروں کو یہ خیال ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے، یقیناً ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کر رکھا ہے)۔

ارشاد الٰہی ہے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، کیا انہوں نے اپنے طور پر کہ یہ سمجھ لیا ہے کہ جن بندوں کو میں نے پیدا کیا، وہ مجھ کو چھوڑ کر انہیں اپنا آقا اور پروردگار سمجھنے لگے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے ان کا کام چل جائے گا، یاد رہے ہم نے انکار کرنے والوں کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے، جو لوگ اللہ کی وحدانیت، اس کی مالکیت اور اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں، ان کا جائے قیام دوزخ ہوگی، انہیں وہیں جانا ہے۔

کائنات کا متصرف اور قادر مطلق محض اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، سب کچھ اسی کا بنایا ہوا ہے اور جس طرح اس نے بنایا ہے، اسی طرح وہ نظام اسی کی نگرانی میں برابر چل رہا ہے، جو لوگ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے ان سے اہل حق کا جھگڑا شروع سے رہا ہے اور ان کو سمجھانے کے لیے قرآن وحدیث میں بہت سی ایسی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تفریح کے لیے نہیں بنایا ہے، بلکہ انسان کے عمل کا امتحان لینے کے لیے بنایا ہے، لہٰذا اگر انسان اچھے اعمال اختیار کریں گے اور اللہ رب العزت کو اپنا محسن و پروردگار مانیں گے تو انہیں اس کی آخرت میں جزا ملے گی۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ

اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا، اس کے رسولؐ پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا 'ایمان بالغیب ہے، ایک انسان کے لیے ایمان بالغیب بہت مشکل کام ہے، اس لیے کہ وہ ایمان بالمشاہدہ کا عادی ہے، اس کو جو چیزیں نظر آتی ہیں اور جو اس کی سمجھ میں آجاتی ہیں یا مشاہدہ میں آجاتی ہیں، تو وہ ان ہی کو مانتا ہے، اس لیے کہ زندگی کا سارا نظام بھی ان ہی کے اردگرد گردش کرتا ہے، لیکن انسانی زندگی میں اگر کوئی ایسی مشکل پیش آتی ہے، جس کا حل انسانی طاقت سے باہر ہو، یا ایسی بیماری آجاتی ہے جو انسانی وسائل سے ٹھیک ہونا مشکل ہو، تب انسان سمجھتا ہے کہ ایک بڑی طاقت ایسی ضرور ہے جس سے ہمیں مدد لینی چاہیے، لیکن عام طور پر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی بھی طاقت سے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر متاثر ہوتا ہے، کیونکہ وہ غیب کی بات ماننے کا عادی نہیں ہے، بلکہ جو چیزیں مشاہدہ میں ہوتی ہیں وہ ان ہی پر عمل کرتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تمام چیزیں اور وسائل جس طاقت نے پیدا کیے ہیں وہ ان کی ظاہری نظر سے مخفی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طاقت ہے، جس نے چیزوں کے اندر تاثیر اور قوت رکھی، لہٰذا ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جو وسائل خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیسے کر سکتے ہیں، یا وہ وسائل اللہ رب العزت کی طاقت کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ یہی وہ حقیقت ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو بہت واضح انداز میں بتایا کہ بتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ خود اپنا دفاع کرنے پر قادر ہیں، پھر یہ تمہاری مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

شرافت کا تقاضا

انسان جب اللہ تعالیٰ کو کارساز حقیقی تصور نہیں کرے گا تو اس کا ذہن لازماً ادھر ادھر بھٹکے گا اور جہاں بھی اسے امید کی کوئی کرن نظر آئے گی، تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہیں سے اس کا کام چل سکتا ہے، یہی وہ غلط انسانی تصور ہے جس کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام بھیجے، رسول بھیجے اور انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ اللہ ایک ہے، وہی کائنات کا پورا نظام چلا رہا ہے اور وہی سب کو نفع ونقصان پہنچانے پر قادر ہے، لہٰذا سب کو اسی سے مانگنا چاہیے، وہی ہمارا محسن اور پروردگار ہے، لہٰذا ہمیں اس کے ساتھ تابعداری کا معاملہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے ہر حکم کو ماننا چاہیے، یہی شرافت کا تقاضا ہے، ہمیں اسی سے ڈرنا چاہیے، اس لیے کہ وہی ہم کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور ہمیں اسی سے امید قائم کرنی چاہیے، اس لیے کہ وہی ہم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اس کے علاوہ ایسا کوئی دوسرا نہیں ہے جو کچھ کر سکے، بلکہ سب اسی کے بنائے اور پیدا کیے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اللہ کے مثل کوئی کام ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔

دنیاوی اور اخروی زندگی کا مقصد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیاوی زندگی آزمائش کے لیے بنائی ہے اور اصل زندگی آخرت کی رکھی ہے، اب انسان کی سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ

آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کو اصل سمجھے اور زیادہ سے زیادہ اسی کی فکر کرے، نہ کہ محدود مدت کی زندگی کے لیے ہر وقت فکر مند رہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہماری ساری توانائیاں، مصروفیتیں اور طاقتیں اسی چھوٹی اور محدود زندگی کو راحت سے گذارنے اور بہتر بنانے میں صرف ہورہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس زندگی میں ایسا نظام بنایا ہے کہ یہاں جو بھی آرام اور سکون حاصل ہوگا وہ وسائل اور انتظامات کے ذریعہ ہوگا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ سکے کہ کون شخص ان وسائل وانتظامات کے حصول میں پھنس کر مشغول ہوجاتا ہے اور کون شخص اخروی زندگی کو بنانے کی فکر کرتا ہے اور اپنے پروردگار کو نہیں بھولتا ہے؟

فکر آخرت پر زور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فکر آخرت پر زور دیا ہے اور جو چیزیں وہاں کامیابی دلانے والی ہیں ان کو بیان کیا ہے، اسی لیے ایسے واقعات بھی بیان کیے ہیں جن سے اخروی زندگی کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا آسان ہوجائے، اصحاب کہف کا واقعہ مثال ہے کہ انہوں نے اخروی زندگی بہتر بنانے کے لیے کیسے غیر معمولی ایمان کا مظاہرہ کیا اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہوکر اللہ کے ہوگئے، جس کا انہیں یہ انعام ملا کہ ان کی تمام پریشانیوں کو اللہ نے ایمان کے سبب دور فرمادیا، اسی طرح دو باغ والوں کا قصہ بھی ایک مثال ہے، جن میں سے ایک شخص نے وسائل اور ذاتی محنت ہی کو اصل سمجھ لیا تھا اور یہ بات بھول بیٹھا تھا کہ قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، چنانچہ اس نے گستاخی کے الفاظ بول دیے، جن پر اللہ نے دنیا ہی میں اس کو عبرتناک سزا دے کر بتادیا کہ ہم گستاخانہ لہجہ قبول نہیں کرسکتے اور اپنی طاقت کے ذریعہ یہ بھی دکھادیا کہ اللہ فائدہ پہنچا سکتا ہے تو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، اس سے اہل ایمان کو ایک سبق ملا کہ انہیں اپنا ذہن بالکل صاف رکھنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو وسائل اور دولت وعزت موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہے، اس میں ان کی ذاتی محنت ایک معمولی ذریعہ ہے نہ کہ وہی اصل ہے، بلکہ یہ سب کرنے والی اصل ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی قوموں کا ذکر ہے جن کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ اللہ کے غضب کی سطح تک پہنچ گئیں تو اللہ نے ان کو عذاب دیا اور ایسے واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ بھی اگر دونوں جہان میں آرام سے رہنا چاہتے ہیں اور اللہ کے غضب سے بچنا چاہتے ہیں تو ہم ان واقعات سے عبرت لیں اور اپنی ان خامیوں کو دور کریں جن کی بنیاد پر قوموں کے اوپر اللہ کا عذاب اور غضب نازل ہوا تھا۔

حسن عمل کا دھوکہ اور اس کا انجام

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا، الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا، ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا" [الکہف:۱۰۳-۱۰۶] (کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کاموں میں سب سے زیادہ گھاٹا کس نے اٹھایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں بے کار گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت بہتر کام کررہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا تو ان کے سب کام اکارت ہوگئے تو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن اٹھا نہ رکھیں گے، ان کی سزا وہی دوزخ ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے انکار کیا اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا)۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت سادہ اسلوب میں ان لوگوں کے متعلق بیان فرمایا جو عمل کے لحاظ سے بہت خسارہ میں ہوں اور ان کی کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوگئی ہوں، وہ یہ سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوں کہ زندگی میں کیا ہورہا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا، بلکہ ادھر ادھر ہاتھ مار رہے ہوں، انہوں نے دنیا اور اس کے وسائل ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہو اور اس میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہ ہو، بلکہ جو بھی طریقہ ان کے سامنے آتا ہو وہ اس کو اختیار کرلیتے ہوں اور یہ نہ دیکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو کیا چیز ناپسند ہے اور کیا چیز پسند ہے، بلکہ وہ محض اپنے فائدہ کے حصول کے لیے جائز وناجائز ہر طرح کے طریقے اختیار کرتے ہوں، واقعہ یہ ہے کہ اخروی لحاظ سے ایسے لوگوں کی کوششیں کھوگئی ہیں اور بکھر چکی ہیں، لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں، بہت عمدہ کام کررہے ہیں اور گویا ایسا ہی کرنا چاہیے، اسی لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور اپنی عزت حاصل کرنے کے لیے دولت بڑھا رہے ہیں، یا انہیں جو بھی طریقہ سمجھ میں آرہا ہے وہ اس کو اختیار کررہے ہیں اور اس پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔

آیات الٰہیہ کے منکر

گذشتہ آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان کے متعلق اگلی آیت میں بتایا جارہا ہے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کردیا ہے، حالانکہ اللہ کی نشانیاں اس زمین پر پھیلی ہوئی ہیں،

جنہیں وہ مختلف طریقوں سے دیکھ سکتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے نظام کا چلانے والا کوئی ہے جو اس کو چلا رہا ہے اور ایسی حکمت سے کام ہو رہا ہے کہ اس میں کوئی انتشار نہیں، کوئی اضطراب نہیں یا کوئی ٹکراؤ نہیں، گویا یہ سب انتہائی حکیمانہ اور باریک نظام ہے، سورج کا نکلنا، چاند کا نکلنا اور ڈوبنا، اس سب میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں ملے گا، اسی طرح سردی اور گرمی کا جو نظام ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو سہولتیں دی ہیں، درخت کس طرح اگتے ہیں، غلہ کس طرح پیدا ہوتا ہے، بارش کس حساب سے ہوتی ہے، یہ پورا نظام ایسا ہے کہ اس کے اندر ہر پہلو بہت حکمت کے ساتھ اپنا کام کر رہا ہے اور یہ سب وہ نشانیاں جو ہر ایک کے سامنے ہیں، لیکن انکار کرنے والوں نے ان سے آنکھیں ہی بند کر لی ہیں، اسی لیے وہ اپنے رب کی ایسی غیر معمولی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کی نشانیوں کے انکاری ہیں وہ آخرت کے دن کے بھی انکاری ہیں، وہ یہ نہیں مانتے کہ انہیں اللہ کے سامنے آخرت میں جواب دہ ہونا ہے اور اس کے حضور پہنچنا ہے، آیت بالا میں ایسے لوگوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ بہت خسارے میں ہیں، انہیں اس کا نقصان بھگتنا پڑے گا، ان کے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے، یعنی ان کی تمام کوششیں بے کار ہو جائیں گی، ظاہر بات ہے کہ جس وقت دنیا میں ان کی آنکھ بند ہوگی، اس وقت ان کے پاس ایک ذرہ بھی نہیں رہ جائے گا، چاہے ساری دنیا ان کے لیے بدلہ میں آجائے، لیکن اس وقت ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا، جہاں ان کی آنکھ بند ہوئی اس کے بعد وہ ہر چیز سے فارغ ہو چکے ہوں گے، اپنے جسم کے بھی مالک نہیں ہوں گے اور اس کے اوپر بھی ان کو اختیار نہیں ہوگا، ان کے سارے اعمال اور کوششیں حبط ہو چکی ہوں گی اور سب کچھ ختم ہو چکا ہوگا۔

جن لوگوں کا دنیا میں بڑا دبدبہ ہے، مگر وہ اللہ کی نشانیوں اور یوم آخرت کے منکر ہیں، تو قیامت کے دن ان کا کوئی وزن تسلیم نہیں کیا جائے گا، ارشاد ہے کہ اس دن ہم ان کی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کریں گے، کیونکہ وہ اس وقت کچھ نہیں ہوں گے، بالکل صفر ہوں گے اور وہاں ان کی کوئی قیمت نہ ہوگی، کیونکہ سارے اعمال حبط ہو چکے ہوں گے اور ان کے پاس ایسا کچھ نہیں ہوگا جو وہاں پیش کر سکیں، یا جس کا سہارا لے سکیں، لہٰذا تب ان کو پتہ چلے گا کہ وہ کتنے خسارے میں ہیں، اس لیے کہ وہاں تو صرف اچھے اعمال ہی کا سہارا ملے گا، اگر اچھے اعمال نہیں ہوں گے تو وہاں کوئی سہارا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ بات پہلے ہی صاف کر دی ہے کہ وہاں تم جس حال میں آؤ گے اور جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، اسی کے مطابق تمہارے ساتھ عمل ہوگا۔

منکرین آیات وآخرت کا انجام

اس آیت میں منکرین کا انجام بتایا گیا ہے کہ وہاں انہیں بدلہ میں جہنم کی آگ ملے گی، اس لیے کہ ان کے اعمال حبط ہونے کی وجہ سے صفر ہوں گے، لہٰذا جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کو زبردستی جہنم میں نہیں بھیجے گا، بلکہ وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں اللہ کی ہر بات کا انکار کیا ہوگا، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں میری نشانیوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا اور یہ لوگ دنیا میں تمسخر سے کام لیتے تھے اور جو باتیں حقیقت میں آخرت میں کامیاب کرانے والی ہیں ان کا مذاق اڑاتے تھے، انبیاء کو بے وقوف قرار دیتے تھے اور ان کی باتوں کو پاگل پن قرار دیتے تھے۔ اگر دیکھا جائے تو آج کل یہ بات بہت زیادہ ہے کہ دین داروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں، نہ یہ کمانے کی فکر کرتے ہیں، نہ دولت جمع کرنے کی فکر کرتے ہیں، بس نماز روزہ میں ہی لگے رہتے ہیں، افسوس کی بات ہے کہ آج کل مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہوتی ہے اور وہ مذاق اڑاتے ہیں، ایسے ہی سب لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ جو لوگ دنیا میں میری نشانیوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے، یہاں رسولوں میں دعاۃ بھی شامل ہیں، جو داعی ہیں اور دین کا پیغام پہنچانے والے ہیں، فرمایا کہ یہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ خود ہی سب کچھ کر رہے ہیں، ساری کامیابی ان ہی کو ملے گی، تو ایسے سب لوگوں کا نتیجہ سیدھے جہنم میں جانا ہے، آخرت میں ان کے پاس ایسا کچھ نہیں ہوگا جو ان کو جہنم سے بچا سکے۔

اہل ایمان کا عمل اور ان کا انجام

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا، خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا" [الکہف: ۱۰۷-۱۰۸] (یقیناً جنھوں نے مانا اور اچھے کام کیے ان کے لیے مہمانی کو فردوس کی جنتیں ہوں گی، ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اسے چھوڑ کر کہیں جانا نہ چاہیں گے)۔

اللہ کی نشانیوں اور آخرت کے دن کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں وہ لوگ ہوں گے جو ایمان والے ہیں اور انہوں نے دنیاوی زندگی میں نیک اعمال اختیار کیے ہیں، انہوں نے آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتوں کی کوئی فکر نہیں کی، بلکہ وہ عمل صالح اختیار کیا جس سے آخرت میں کامیابی حاصل ہو سکے اور وہ ایمان اختیار کیا جس سے اللہ کے نزدیک مقبولیت

حاصل ہو سکے، ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہوگا، جہاں وہ آرام سے ہمیشہ ہمیش رہ سکیں گے، وہاں سے ان کے لیے نکلنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ خود وہاں سے ہٹنا چاہیں گے، یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ وہ جگہ ان کو زبردستی دے دی جائے، خواہ وہ رہنا چاہتے ہوں یا نہیں، ایسی صورت میں وہ قید ہو جائے گی نہ کہ نعمت، اسی لیے وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں خود ان کا جی چاہے گا کہ وہ وہیں رہیں۔

کلمات الٰہیہ کی ایک بلیغ مثال

"قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً" [الکہف:۱۰۹] (آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی گرچہ ہم اس جیسا اور (سمندر) کیوں نہ اس کی مدد کو لے آئیں)۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کی مثال دے رہا ہے، اللہ کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کا بنایا ہوا پورا نظام، یہ سب باتیں اتنی زیادہ مقدار میں ہیں کہ اگر سارا سمندر روشنی بن جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ سب باتیں لکھی جائیں تو سارے سمندوں سے بنی ہوئی روشنائی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، غور کرنے کی بات ہے کہ کسی چیز کے لکھنے میں کتنی سی روشنائی صرف ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اگر سارے سمندر روشنائی بن جائیں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتی ہیں، بلکہ وہ مسلسل لکھی جاتی رہیں گی، پھر یہی نہیں کہ صرف سمندروں کی روشنائی ختم ہو جائے گی، بلکہ اگر اسی طرح مزید سمندر بھی مل جائیں اور اضافہ کر دیا جائے تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔

غور کا مقام

اس سلسلہ میں سرسری طور پر سوچا جائے تو آدمی کو تعجب ہوگا کہ ایسی کتنی باتیں ہو سکتی ہیں کہ ان کو لکھنے کے لیے سمندروں کی روشنائی ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی؟ لیکن غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اگر ایک ایک ذرہ کی تفصیلات نوٹ کی جائیں اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو سمندر کی روشنائی کا ختم ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے، اس لیے کہ یہ کائنات بہت وسیع ہے، نہ جانے اس میں کتنے عالم اور کتنے کُرے ہیں اور ان کے اندر نہ جانے کتنی مخلوقات، معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں، اگر اللہ کی بنائی ہوئی ان سب چیزوں کی تفصیلات قلم بند کی جائیں، ان کی وجہ تخلیق پر غور کیا جائے، ان کا مزاج کیا ہے؟ ان کی خاصیت کیا ہے؟ ان کے تقاضے کیا ہیں؟ ان کی ضروریات کیا ہیں اور ان کی صلاحیتیں کیا ہیں؟ تو یہ سب اللہ کی وہ باتیں ہیں جن کو اگر کوئی لکھنے پر آجائے تو سمندروں کی روشنائی خشک ہو جائے گی، مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔

رسول اکرمؐ کا مقام ومرتبہ

"قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً" [الکہف:۱۱۰] (کہہ دیجیے کہ میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، بس جو اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اچھے ہی کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو بھی ساجھی نہ ٹھہرائے)۔

اس آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا پتہ چلتا ہے، رسول بھی اللہ کے تابع ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ کے متعلق جو باتیں بتا رہے ہیں اور اس کی بڑائی بیان کر رہے ہیں، یا گذشتہ زمانہ کے قصے سنا رہے ہیں تو اللہ سے ان کا کوئی رشتہ یا تعلق ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں میں سے ان کا انتخاب کیا ہے، لہٰذا وہ اللہ کے پیغمبر ہیں مگر انسان ہی ہیں اور انسانوں کی طرح ہیں، کوئی فرشتہ یا دوسری مخلوق نہیں ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور اس کا پیغام آتا ہے، ورنہ ان میں اور عام انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے، صرف پیغام الٰہی کی بنیاد پر دیگر انسانوں کے مقابلہ میں ان کو امتیاز حاصل ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ یہ بتاتا ہے کہ تمہارا معبود تنہا اللہ تعالیٰ ہے، وہی تمہارا اصل اور تنہا معبود ہے، یہ وہ پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ذریعہ پہنچاتا ہے، بتایا گیا کہ اگر اس کو سامنے رکھو گے تو کامیاب رہو گے، ورنہ آخرت میں بڑے گھاٹہ میں رہو گے۔

ایک ضروری وضاحت

آیت کے اخیر میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ جو شخص بھی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب سے کامیابی کے ساتھ ملے اور قیامت میں اس کی رحمت حاصل کرے، تو اس کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اچھے اعمال اختیار کرے اور اپنے رب کے علاوہ کسی کی بھی عبادت نہ کرے اور نہ ہی کسی کو قابل عبادت سمجھے یا کسی کے سامنے جھکے، بلکہ صرف اللہ کے سامنے جھکے اور اللہ ہی کو کارساز حقیقی سمجھے۔

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

مذہبی تعلیمات وشعائر اور مسلمان

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

امتِ اسلامیہ آج جس نازک دور سے گذر رہی ہے وہ اس امت کی تاریخ میں بہت اہم اور تشویشناک مرحلہ ہے، مسلمان جہاں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ عالمِ اسلام ہو یا غیر اسلامی ممالک، ہر جگہ وہ من حیث القوم کمزور، پس ماندہ، مظلوم اور زخم خوردہ ہیں، ان کی حالت اس شکست خوردہ کی سی ہے جو میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر لوٹے اور ہمیشہ کے لیے اس پر ذلت وکمتری کا احساس مسلط ہو جائے، جس ملک کو آپ چاہیں دیکھ لیں اور جس علاقہ پر چاہیں نظر دوڑالیں سب سے زیادہ کمزور اور مغلوب صرف مسلمانوں کا طبقہ ملے گا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہیے مسلمانوں کی مغلوبیت، ان کی مظلومیت، ان کے احساس کہتری کی داستانِ تازہ سن اور پڑھ لیجیے۔

اگر چہ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جہاں مسلمان بظاہر خوشحال، غالب اور طاقتور ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ بھی ذہنی غلامی، احساس کمتری میں مبتلا ہیں وہ باطنی حیثیت سے بالکل شکست خوردہ اور مرعوب ہیں، ان پر دوسری ترقی یافتہ قوموں کے افکار ونظریات کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ زبان حال سے اسلام کو ایک بوسیدہ مذہب، ایک رجعت پسندانہ نظریہ، اور ایک کرم خوردہ نظام تصور کرتے ہیں۔

یہ وہ صورت حال ہے جو مسلمانوں کے لیے نہ صرف تشویشناک بلکہ ملت کے شیرازہ کو بالکل منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے کافی ہے، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اگر چہ بہت سے غمگسارانِ ملت اور ہمدردانِ امت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کر رہے ہیں اور تمام اسلامی اور دینی جماعتیں ان ناخوشگوار حالات کو محسوس کر رہی ہیں اور ان کو بدلنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی تاریخ کا وہ نازک ترین مرحلہ ہے جس سے گذرنے کے لیے ہماری یہ تمام کوششیں اس وقت بار آور ہو سکتی ہیں جب ہم کمتری، مغلوبیت اور مظلومیت کا احساس ختم کر کے اپنے آپ کو اس منصب امامت وقیادت کا اہل بنالیں جو ہمارے اور صرف ہمارے لیے مخصوص ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں جانشین خاتم الانبیاء بن کر خلافت ارضی کی ذمہ داری سنبھالیں جو صرف ہمارا حصہ ہے۔

لیکن آج اس ترقی یافتہ دنیا میں ہم نے اپنا مقام سب سے پیچھے رکھا ہے، ہم مادہ پرست قوموں کے غلام بن کر زندگی گذارنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں، ہم اس خالص مادہ پرست تہذیب کی تقلید اور خوشہ چینی کو ترقی اور تمدن کی علامت سمجھنے لگے ہیں، ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ان قوموں کی اتباع وتقلید وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے مذہب کی غیرت اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتے ہوئے موجودہ دور میں اسلامی نظام حیات کو ناکافی اور اس کی تمام تعلیمات کو ناقابل عمل تصور کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے ہمیں بہت پیچھے لوٹنا چاہیے، اور اس معاشرہ کو بروئے کار لانا چاہیے جو اس نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو واقعی اور عملی زندگی میں اس سے مستفید ہونے کے جذبات سے معمور ہو، ان کے نزدیک موجودہ تہذیب اور عصر حاضر کی ثقافت وعلوم کا سیلاب بلا خیز اپنے گرداب سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس گریز پا ترقی کے دور میں صرف اتنا کر لینا کافی ہے، کہ نظریاتی طور پر آپ مذہب کو مانیں اور اس کی قابل عمل تعلیمات پر عمل کر لیں، ان کے نزدیک ایسے زمانہ میں نماز و روزہ اور دیگر فرائض کا پورا کر لینا ہی بہت بڑا دینی کام ہے، بلکہ عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

یہی وہ شکست خوردہ ذہنیت ہے جو مغرب کی تہذیب، اس کی ترقیوں اور اس کی مادی پیش قدمیوں سے مرعوب ہے، جو کسی حال میں اس کے بالمقابل آنے کی روادار نہیں، وہ مغرب کو ترقی کے اس نقطۂ عروج پر تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، اور جو صرف قیادت کی منزل ہو سکتی ہے جس کے سامنے ساری مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدریں بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی ہیں۔

دوسرا طبقہ جو تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ ہے، جس نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مادیت، الحاد، اور تمام شیطانی طاقتیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ان کے سامنے مذہب ایک ضعیف اور مغلوب الحال نظریہ بن کر رہ گیا ہے، اور جس کے لیے مسجد کے گوشوں، یا اذان کے میناروں یا خطبۂ جمعہ کے منبروں یا بعض مذہبی رسمی تقریبات سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ مذہب کو زندگی کے لیے لازم، اس کی تعلیمات کو انسانیت کا نجات دہندہ، اور اس کی برتری وافضلیت

کا اعتراف کرتے ہوئے حالات کے سامنے اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے، اور اپنی ذاتی زندگی تک اسلام کے محدود رکھنے کو بہت کافی سمجھتا ہے۔

لیکن اس بگڑی ہوئی دنیا اور ترقی کے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی اس تہذیب کے دھاروں میں ایک طبقہ وہ بھی موجود ہے جو ہر حال میں اسلامی نظام کو قابل عمل اور اسی کو انسانیت کے سارے دکھ درد کا علاج تصور کرتا ہے، وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ان تمام تدبیروں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے اور اس کے لیے ہمت افزائی کرتا ہے۔

یہ ان داعیوں اور داعیانہ جذبہ رکھنے والے ان افراد کا طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح فہم اور اس کے صحیح منشا و مراد سے واقف ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا کا سارا بگاڑ، ساری خرابیاں اور ہر طرح کی برائیوں، اور فسادات کا سرچشمہ مذہب سے بے تعلقی ہے اور اس خدا بیزار تہذیب کا نتیجہ ہے جو آج ساری دنیا پر مسلط ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو مادہ پرست حکومتوں، اور ان کے پیچھے چلنے والی تمام حکومتوں کی نظر میں انتہائی مبغوض اور گردن زدنی ہیں، یہ پر جوش اور ایمان وعمل کے جذبہ سے لبریز وہ افراد ہیں جو اسلام کی حقانیت، اس کی ابدیت، اس کی ہمہ گیریت اور اس کے بلند تصورات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، جو منکر کو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے، جو گناہوں کو فروغ پاتے ہوئے دیکھ کر تغافل نہیں برت سکتے، جن کی آخری تمنا اسلام کی سربلندی ہے، جو ایمان کی زندگی اور خدا اور رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے حلقہ کو وسیع کر کے زندگی میں اللہ کے قانون کو نافذ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر مرض کا علاج اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں۔

اس طبقہ کا وجود آج کی ہر حکومت اور ہر اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچلنے اور آوازۂ حق کو خاموش کر دینے کے لیے تمام حکومتیں متحد ہیں خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ملکوں کی حکومتیں، حد تو یہ ہے کہ اس طبقہ کو پسپا کرنے کے لیے ان حکومتوں نے صرف آتش وآہن کی مدد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے رعایا کے تمام مسلمان افراد کو ان کی مخالفت کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے پر آمادہ کیا۔

گویا اسلام کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کمزور کرنے اور اس کے تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے انہیں کے افراد کو استعمال کیا گیا اور دین کی مخالفت نام نہاد دین سے، اسلام کی مخالفت مصنوعی اسلام سے، اور اسلامی قدروں کی مخالفت مصنوعی مذہبی قدروں سے کی جانے لگی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو، ایک جماعت دوسری جماعت کو، ایک شخص دوسرے بزرگ کو نقصان پہونچانے کے لیے اس طرح آمادہ ہو گیا کہ گویا وہ کوئی بہت مقدس اور کوئی بہت عظیم اسلامی مہم.....انجام دے رہا ہے، جس سے غفلت برتنے پر آخرت میں اس کو جوابدہ ہونا ہوگا۔

یہ ہے وہ تلخ حقیقت، جو آج مسلمانوں کے معاشرہ میں ہر جگہ موجود اور محسوس ہے، کہیں بڑے پیمانے پر، کہیں حکومتوں کی سرپرستی میں اور کہیں جماعتوں کی سرپرستی میں، کہیں ذاتی بغض وعناد کے جذبات کام کر رہے ہیں تو کہیں جاہ ومنصب کی حرص وہوس اپنی کمندیں پھیلا رہی ہے۔

اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں اور اس کے مخالفین کو اس طرز عمل سے بہت شہ ملی، انہوں نے خواہ اس موقع کو غنیمت سمجھا ہو، یا کوشش کر کے یہ موقع پیدا کیا ہو، جو صورت حال بھی ہو، بہر حال وہ مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب، ذلیل وخوار، کمزور و ناتواں اور شکست خوردہ بنانے کے لیے بہت کافی تھی، چنانچہ اس کا ردعمل یہ ہوا اور برابر ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ عظیم اور غالب امت صرف کمزور اور مغلوب ہی نہیں ہے، بلکہ احساس ذلت ورسوائی کے ایسے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے جس نے اس کو ہر بلندی اور پیش قدمی سے محروم کر رکھا ہے، اور جس سے بظاہر (جب تک یہ صورت حال اور طرز عمل قائم رہے) نجات کی کوئی توقع بھی نہیں:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میں نہیں سمجھتا کہ امت اسلامیہ کی موجودہ مغلوبیت ومظلومیت کسی اور طرز عمل کا نتیجہ ہے، بلکہ اسی طرز عمل نے اس کو اس انجام تک پہونچا دیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی ۲۲ بڑی بڑی حکومتوں نے مل کر بھی تنہا ایک معمولی تعداد رکھنے والی ذلیل قوم یہود کو جو ان کے ملک میں دخیل اور جارح قوم تھی جو ہر چہار جانب سے انہیں حکومتوں سے گھری ہوئی تھی، صرف اس کو بھی یہ ساری حکومتیں ایک آواز اور ایک جسم ہو کر زیر نہ کر سکیں، بلکہ شکست کھا کر اور جان ومال اور رقبہ حتی کہ مسجد اقصیٰ جیسی مقدس یادگاروں تک کا عظیم تر خسارہ برداشت کر کے واپس آ گئیں۔

اسی طرز عمل کا انجام ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات وشعائر، اور اس کی روح سے بالکل کٹ چکا ہے، اور اس نے وہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے جو وقت کی سب سے ذلیل وکمزور اور پست ہمت قوم ادا کرتی ہے، اور جو قوم قیادت وامامت کا خداداد منصب لے کر آئی تھی وہی آج اپنے زمانہ کی پیرو اور مقلد ہے۔ اقبالؔ نے پہلے ہی کہا تھا:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں!

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، ولادت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک انسانی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کو پورا ہی نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے لیے صحیح اور واضح رہنمائی بھی پیش کرتا ہے، اسلام کا جامع نظام زندگی مختلف شعبوں پر مشتمل ہے جو آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے اگر جدا کر دیا جائے تو مکمل اسلامی نظام حیات کا تصور باقی نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح جیسے کسی عمارت کی تشکیل میں کتنا ہی مضبوط، ٹھوس اور مفید تعمیراتی سامان (Building Materia) استعمال کیا جائے، لیکن اس عمارت کو کسی تعمیری منصوبہ اور پلان کے تحت اور اس کے مختلف اجزاء کو آپس میں کوئی مضبوطی پیدا کرنے والی شیسے جوڑ کر نہ بنایا جائے، تو یہ تعمیری ڈھانچہ کھڑا تو ہوسکتا ہے؛ لیکن پائیداری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور ہر آن اس کے گرنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

کچھ اسی طرح کی صورت حال موجودہ اسلامی معاشرہ کی ہے، جہاں بہت سے افراد، تحریکیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی دینی، ملی، سماجی اور معاشرتی طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و کامیابی کے لیے جد وجہد کر رہی ہیں، سب کا اپنا ایک الگ لائحۂ عمل اور جدا طریقۂ کار ہے، منہج اور طریقۂ کار کا الگ ہونا کوئی اہم مسئلہ نہیں، یہ ایک فطری چیز ہے؛ لیکن کسی خاص طریقۂ کار اور فکر کو مضبوطی سے پکڑ لینا، اسی پر جم جانا، اسی کو دین کی اہم خدمت بلکہ عین اسلام سمجھ لینا اور دیگر افراد و جماعتوں کے ساتھ تعاون و اتفاق نہ کرنا بعض دفعہ ایسے سنگین حالات پیدا کر دیتا ہے کہ اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلام سے کلی تعلق اور اس کی دعوت کے بجائے جماعتی اور گروہی رجحان اور اس کی حمیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ کوششیں خالص اسلام کی طرف پہنچنے اور اس کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے میں حائل ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ شدت و بے اعتدالی پر مبنی اختلافات اسلام کی صاف ستھری شکل کو بگاڑ دیتی ہیں۔

اس قسم کا انتشار اور اختلافات خاص وجوہات کی بنا پر پیدا ہوئے، اور اسلامی کاز کے میدان میں کام کرنے والوں نے کسی ایک پہلو کو اختیار کر لیا اور اسی پر جم گئے، مثال کے طور پر کچھ لوگوں نے اصلاحی مراکز قائم کیے اور بس اسی پر قانع ہو کر رہ گئے، کہیں لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعی خدمت کو ہی دین سمجھ لیا، کچھ لوگوں نے صرف دینی تعلیم ہی کے ساتھ اپنے کو خاص کر لیا تو کہیں عصری تعلیم کو ہی ترقی و کامیابی کا واحد راستہ سمجھ لیا گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کوششیں سود مند ثابت نہیں ہو رہی ہیں۔

اس وقت عالم اسلام میں بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے اپنے طریقہ پر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کام کر رہی ہیں، لیکن ان کی تمام تر کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں جن میں باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور اتفاق نہیں، بلکہ بہت سی ایسی تحریکات ہیں جو محض نقطۂ نظر اور منہج کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی سخت مخالف ہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کو منحرف سمجھتی ہیں، یہ ایسے افراد اور جامع شخصیات کے فقدان کی وجہ سے ہے جو دین اسلام کو اصل بنیاد اور جامع نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کریں اور منتشر کوششوں میں ربط و ہم آہنگی اور اتحاد و اتفاق پیدا کریں تاکہ مسلمانوں کی توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع نہ ہوں۔

مسلمانوں کی پریشانی یہ نہیں کہ اسلام ان کی زندگی میں بالکلیہ نظر نہیں آتا اور اسلامی تعلیمات کے عملی نمونے پائے نہیں جاتے، صاف اور صحیح عقیدہ کے ماننے والے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے والے افراد بھی ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کی درستگی پر بھی توجہ دی جا رہی ہے، دعوت الی اللہ اور تبلیغ اسلام کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں، اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ (جان و مال) قربان کرنے کا جذبہ بھی مسلمانوں میں موجزن نظر آتا ہے، غرضیکہ معاصر زندگی میں اسلامی زندگی کے ہر شعبہ کی نمائندگی موجود ہے، لیکن پریشانی کا باعث یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہتر صورت حال کے لیے ان سب کوششوں کے باوجود کوئی قابل قدر نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا ہے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کوششیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ اور منتشر ہیں؛ بلکہ کہیں کہیں ٹکراؤ کی صورتحال ہے، ہر تحریک اور جماعت اپنے ہی دائرہ کار میں محدود اور اسی سے کلی طور پر منسلک ہے، ان کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں یا وہ چاہتے ہی نہیں کہ دوسرے کام کرنے والوں اور

ان کے طریقۂ کار کو سمجھیں، ان کی طرف اتفاق وتعاون کا ہاتھ بڑھائیں، مثال کے طور پر کوئی تنظیم یا جماعت مسلمانوں میں تعلیم وتربیت کے لیے سرگرم ہے تو وہ اسی کو سب سے اہم ضرورت اور اسلام کی خدمت سمجھتی ہے، اگرچہ اسی علاقہ یا دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتی ہے، کچھ افراد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہیں، مگر اسی علاقہ کے مسلمانوں میں جہالت یا غربت عام ہے، لیکن انہیں اس سے بالکل سروکار نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، بالآخر وہ مسلمان غیروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کچھ افراد اگر عوامی ورفاہی خدمت، سماجی اور معاشی مسائل حل کرنے کی فکر میں ہیں تو وہ اصلاح نفس، تعلق مع اللہ، اسلامی اخلاق، دعوت وتبلیغ، آپسی بھائی چارہ جیسے اہم امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نتیجۃً بہت سے مسائل اور مشکلات ایسی ہیں جن سے اسلامی معاشرہ مسلسل دوچار ہے لیکن ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ سب اپنے اپنے میدان عمل میں محدود ہیں، بہرحال مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی جو بھی کوششیں ہورہی ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لیے ناکافی ہیں، صرف انہیں کوششوں اور سرگرمیوں پر اکتفا کرتے ہوئے عمومی تبدیلی اور بیداری کی امید کرنا محال ہے۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وفلاح کے لیے جو کوششیں ہورہی ہیں اور جن کے غیر معمولی نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ لائق قدر و ستائش ہیں اور جو لوگ ان کو انجام دے رہے ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں، وہ اپنے اس عمل ومحنت پر عنداللہ ماجور ہوں گے، لیکن پوری امت اسلامیہ کی ترقی وکامیابی کی فکر مشترکہ تعاون اور آپسی اتفاق کے بغیر بہت دشوار ہے، بحیثیت مجموعی امت کہ یہ فکر اور کوششیں اسوقت بارآور اور نتیجہ خیز ہوسکتی ہیں جب مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں جو مختلف میدانوں میں دین کا کام کررہی ہیں، آپسی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں، اگرچہ شروع میں محدود پیمانہ پر ہی یہ کوششیں جاری ہوں، مگر اس طور پر ہوں کہ دین کے تمام شعبے، عبادات، اخلاق، معاملات، تعلیم وتربیت، خدمت خلق اور دعوت وتبلیغ سب ایک ساتھ جمع ہوجائیں اور مسلمانوں میں خاص طور سے دین کا کام کرنے والے افراد میں ایسے لوگ ہوں جو ان خصوصیات کے جامع ہوں، تاکہ امت کے تمام افراد اسلام اور مسلمانوں کی عزت ونصرت کے لیے ایک طاقت کے طور پر متحد ہوجائیں، دشمن کے فریب اور خطرات سے واقف ہوں اور اس کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار کریں۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف وتفریق کو بہت ناپسند کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بڑی تاکید کے ساتھ اتحاد اور باہم مل جل کر رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور مثال دے کر اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاً" (مومن اپنے بھائی کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں)۔ [متفق علیہ]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "المسلم أخو المسلم لایخونه ولا یکذبه ولا یخذله کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقوی ههنا" (مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کے ساتھ خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت وآبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقوی اس جگہ ہے (اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا)۔ [ترمذی]

ایک دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے: " لا تحاسدوا ولاتناجشوا، ولا تباغضوا، ولاتدابروا، ولا بیع بعضکم علی بیع بعض، وکونوا عباد اللّٰہ إخواناً" (باہم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور کسی کے سودے پر سودا نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض سے نہ رکھو اور ایک دوسرے سے اعراض کرکے اس کو نہ چھوڑو اور بعض کی بیع پر تم میں سے کوئی دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے قیمت نہ بڑھائے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو)۔ [رواہ مسلم]

"لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (تم میں کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرجو اپنے لیے پسند کرتا ہے)۔ [بخاری ومسلم]

"واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن، قیل ومن یا رسول اللّٰہ؟ قال: الذي لا یأمن جاره بوائقه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ نے دریافت کیا: کون یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو)۔ [متفق علیہ]

" لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین" رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں)۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے والے کا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی اہمیت کو انسانی جسم سے تشبیہ دے کر سمجھایا، "مثل المؤمن في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو (حصہ) میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کا اس درد میں شریک ہوجاتا ہے)۔

اسلام ایک زندہ اور تندرست انسانی جسم کے مانند ہے، جس کی تمام مؤثر کارکردگیاں اور صلاحیتیں اسی وقت ظاہر ہوں گی جب اس کے تمام شعبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام کیا جائے اور یہی پوری امت مسلمہ کے لیے دعوت دین کی ذمہ داری ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم معاصر مادہ پرست تحریکوں کی پیروی اور نقالی کرنے کے بجائے اپنے ماضی کے بے مثال تجربوں اور واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو سامنے رکھ کر دین کا کام کریں، اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا راز اسی میں ہے کہ مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں، اس لیے کہ قرآن کریم مکمل اسلام چاہتا ہے: "ادخلوا في السلم كافة"۔

☆☆☆☆☆

اہل مدارس اپنا محاسبہ کریں!

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے، اور حدیث میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے، وہ ہے بقائے انفع کا قانون، جو اس کے علاوہ ہے وہ بہہ جانے اور غائب ہوجانے والی ہے، حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے، یا جو لوگوں کو نفع پہونچاتا ہے، تو یہ بقائے انفع کا قانون بے لاگ ہے، جو جتنا نفع پہونچانے والا ہوگا اتنا ہی باقی رہے گا اتنا ہی مضبوط رہے گا، اتنا ہی توانا رہے گا، اور اپنی نفع پہونچانے والی صفت میں وہ کافی رہے گا، تو ہم لوگوں کو یہ چیک کرتے رہنا چاہیے اور بار بار دیکھتے رہنا چاہیے کہ ہمارا نفع کم تو نہیں ہورہا ہے، کیونکہ مدارس جو ہیں وہ نفع پہونچانے کے مراکز ہیں ایک طرف سے لیتے ہیں، دوسری طرف دے دیتے ہیں، وہاں سے لیتے ہیں جہاں سے کوئی نہیں لے پاتا، اور ان کو دیتے ہیں جو لے نہیں پاتے، جو خاص طور سے براہ راست لے نہیں پاتے ان کو پہونچاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے مدارس کے اندر یہ صفت رکھی تھی اب یہ صفت ہمارے اندر سے ہی ختم ہوتی چلی جارہی ہے، اس وجہ سے نگاہیں اٹھ رہی ہیں لوگوں کی ہماری طرف، جب ہم نفع والے تھے تو نگاہیں اٹھنے سے دور تھے، جب نفع کم ہوگیا یا ختم ہوتا جارہا ہے تو حالات خراب ہورہے ہیں۔

☆☆☆

اوراقِ زندگی

(جلد اول)

ماضی کے جھروکوں سے کچھ تاریخی و خاندانی جھلکیاں۔ زندگی کے کچھ سبق آموز واقعات۔ مطالعاتی وتدریسی مشاغل، تعلیمی و دعوتی اسفار۔ اہم دینی، علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں۔ دینی، ملی، تعلیمی اور دعوتی تحریکات سے وابستگی کا حال۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

صفحات: ۵۰۴--- قیمت: ۴۰۰/روپئے

ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۲۵۰/روپئے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

دین و عقیدہ

مکاتب کا نظام: وقت کی اہم ضرورت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن مجید میں جن اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، ان میں ایک اہم ترین شخصیت حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، جن کا مختلف عنوان کے تحت قرآن میں سولہ بار ذکر آیا ہے، ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، جن کا ایک نام اسرائیل بھی ہے، بنی اسرائیل دراصل ان کی اولاد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مصر اور عراق کے خطہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی خدا کے اولوالعزم پیغمبروں میں ہیں، جن کو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی رضا کے لیے قربان کیا تھا اور عید قرباں ان ہی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، جنھوں نے تعمیر کعبہ کی تجدید فرمائی، حج کے زیادہ تر افعال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں اور فرمانبرداریوں کی یاد کو تازہ کرنے کا باعث ہیں اور دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام آپ علیہ السلام کی عظمت پر متفق ہیں۔

قرآن نے خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید پر ایمان وایقان کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پورا اُترنے کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے؛ چنانچہ آج جو مذاہب توحید کا اقرار کرتے ہیں، وہ سبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، جن کے واقعہ پر قرآن مجید میں ایک مکمل سورت ''یوسف'' کے نام سے موجود ہے اور ان کی داستانِ زندگی کو اللہ تعالیٰ نے احسن القصص کے نام سے ذکر فرمایا ہے، گویا حضرت یعقوب علیہ السلام کا پورا خانوادہ نبیوں اور رسولوں کا، باپ، چچا، دادا، بیٹا، سب اللہ کے پیغمبر ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خاندان میں کس قدر دین داری، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی رہی ہوگی اور گھر کے پورے ماحول پر کیسی اعلیٰ دینی فضا سایہ فگن ہوگی، ایسے دین دار گھرانہ کے افراد سے گناہ اور معصیت کا اندیشہ بھی لوگوں کو نہیں ہوتا، چہ جائے کہ کفر وشرک کا خوف ان سے ہو؛ لیکن جب حضرت یعقوب ں کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے صاحبزادوں سے سوال کیا: ''مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ''؟ [بقرہ:۱۳۳] (میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟) صاحبزادوں نے جواب دیا: ''نَعْبُدُ اِلٰھَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ'' [بقرہ:۱۳۳] (ہم آپ کے خدا، آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے خدا یعنی ایک ہی خدا کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے)۔

اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو جو خود نبی تھے وصیت فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' [بقرہ:۱۳۲] (بے شک اللہ نے تمہارے لیے دین کو پسند فرمالیا ہے؛ اس لیے اسلام ہی کی حالت میں تمہیں موت آنی چاہیے)۔

غور کیجیے! کہ انبیاء کرام اپنے بچوں کے سلسلہ میں اس بات کے فکر مند ہیں کہ وہ دین پر قائم رہیں اور ان کو دین پر قائم رہنے کی حالت میں موت آئے، جب انبیاء کو اپنی اولاد کے بارے میں اتنی زیادہ فکر مندی تھی، تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عام مسلمانوں کو اس سلسلہ میں کتنا زیادہ فکر مند رہنے کی ضرورت ہے، آج ہماری نفسیات یہ ہے کہ ہم اپنی خاندانی روایات پر یقین کرکے اپنے بال بچوں کے بارے میں مطمئن ہوجاتے ہیں کہ ہمارے بچے اسی دین کے حامل رہیں گے، جو ہمیں ہمارے ماں باپ کی طرف سے ملا ہے۔

راقم الحروف کو متعدد مغربی ملکوں کے سفر کا موقع ملا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ مغربی ملکوں نے مذہب سے اپنا رشتہ پوری طرح توڑ لیا ہے اور اگر کوئی اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے تو وہ محض روایات کے طور پر ایک تہذیب کے نقطۂ نظر سے، یعنی کچھ مذہبی رسوم ہیں، جو بطور عقیدہ کے انجام نہیں دیے جاتے؛ بلکہ اب وہ تہذیب اور روایت کا حصہ بن چکے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جو مسلمان وہاں آباد ہیں اور خاص کر گجراتی مسلمان، کہ ہندوستان سے زیادہ تر وہی اس ملک میں پہنچے ہیں، ان کی نئی نسل میں بھی دین داری کا رجحان بہت ہی قابل تعریف اور لائق تحسین ہے، ایک ایسے ملک میں جہاں یوں محسوس ہوتا ہے کہ لباس عورتوں کے لیے ایک ناقابل برداشت

بوجھ ہے، اور جہاں نوجوان لڑکے نت نئے فیشن کے پرستار ہیں، وہاں بھی مسلمان خواتین کی اچھی خاصی تعداد برقعہ پوش ہے، یا کم سے کم چہرہ کے علاوہ پورا جسم بشمول سر کے ڈھنکا ہوا ہے، اور نوجوان لڑکوں کے چہروں پر کثرت سے داڑھیاں ہیں اور ان کی اچھی خاصی تعداد مشرقی لباس اور اسلامی وضع قطع کی حامل ہے۔

اس کے اسباب یوں تو گھریلو ماحول اور طبعی سلامت رَوی، دینی تحریکوں اور جماعتوں سے تعلق اور خاص کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک دعوت وتبلیغ کی محنت علماء اور مشائخ سے تعلق وارتباط وغیرہ بھی ہے؛ لیکن سب سے اہم کردار اس میں نظام مکاتب کا ہے، ریاستِ گجرات میں بہت زمانہ سے ایک نظام یہ ہے کہ گاؤں گاؤں میں مکاتب قائم ہیں، جو طلبہ عصری درسگاہوں میں پڑھتے ہیں ان کے لیے ان مکاتب میں پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی بچہ مکتب کے اوقات میں کھیلتا ہوا مل جائے تو محلّہ کے لوگ بے تکلف بچہ کے سرپرست سے پوچھ بیٹھتے ہیں، کہ یہ مکتب نہیں جارہا ہے؟ اور سرپرست کو شرمسار اور معذرت خواہ ہونا پڑتا ہے، عام طور پر مکتب کی تعلیم سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ قاعدۂ بغدادی اور پارۂ عم جیسے تیسے پڑھادیا جائے اور چند کلمات اور دُعائیں یاد دلادی جائیں، بس یہ کافی ہے، یقیناً کچھ نہ ہونے کے مقابلے میں ہونا بہتر ہے؛ لیکن گجرات کے نظم مکاتب کی سطح اس سے بہت بلند ہے، یہاں عام طور پر میٹرک تک آٹھ دس سال مکتب کی تعلیم ہوتی ہے، روزانہ ڈھائی گھنٹہ بچوں کا وقت لیا جاتا ہے، ایک معلم پندرہ، بیس طلبہ کو پڑھاتے ہیں، ناظرہ قرآن تجوید کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے، کچھ پارے حفظ کرائے جاتے ہیں، پھر اس کے ساتھ ساتھ آیات واحادیث کے ترجمے، ایمانیات، مسائل و احکام، سیرتِ نبویؐ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور بعض جگہوں پر عربی زبان کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

گجرات کے مسلمان تاجر پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ جہاں بھی گئے مکتب کا یہ نظام بھی اپنے ساتھ لے کر گئے، اس لیے ان کی نئی نسل پر دین داری کی جھلک نمایاں طور پر محسوس کی جاتی ہے، چاہے وہ کتنے ہی مخالفِ اسلام ماحول میں ہوں، وہ دوسرے مسلمانوں سے اپنے دینی ربط وتعلق کی بناء پر نمایاں محسوس ہوتے ہیں، برطانیہ میں چوں کہ ۱۶ سال کی عمر تک سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنا ہر بچہ پر لازم ہے، اس لیے اتنی عمر تک بچے پابندی سے مکتب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس طرح وہ نیم مولوی تو ہو ہی جاتے ہیں اور بعضے قرآن مجید کا حفظ بھی مکمل کرلیتے ہیں۔

بعض اہل بصیرت کا گمان ہے کہ ایشیاء میں جو ملک سب سے پہلے مغربی تہذیب کے سامنے سرنگوں ہوجائے گا اور جو تیزی سے مغرب کی پیروی کی طرف جارہا ہے، وہ ہمارا ملک ہندوستان ہے اور مغربی ممالک کو چوں کہ افرادی وسائل کی ضرورت ہے اور ہندوستان کے نوجوان ذہانت، صلاحیت، محنت اور فنی مہارت کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کو قبول کرنے کا مزاج بھی رکھتے ہیں، اسی لیے یہاں کے کارکنان ان کے لیے سب سے زیادہ قابل قبول ہیں۔

ان حالات میں مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اگلی نسلوں کو دین سے وابستہ رکھنے کے طریقۂ کار پر غور کریں اور ایسا راستہ اختیار کریں کہ ہمارے بچے عصری تعلیم میں بھی آگے ہوں اور دینی پہچان بھی پوری طرح قائم رہے، اس کے لیے سب سے مفید اور آزمودہ طریقہ مکاتب کا نظام ہے، کہ زیادہ سے زیادہ مکاتب قائم ہوں، مکاتب صرف رسمی انداز کے نہ ہوں؛ بلکہ اس کا دس سالہ کورس ہو، جس میں ناظرہ قرآن، حفظ، منتخب آیات واحادیث کے ترجمے، عبادات ومعاملات اور شخصی زندگی سے متعلق ضروری احکام، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام کی سیرت اور تاریخ ہند جیسے اہم مضامین شامل نصاب ہوں اور ان کی باضابطہ تعلیم ہوا کرے، اُردو زبان بھی اس نصاب کا ایک اہم جزو ہو اور ان طلبہ وطالبات کو اچھی طرح اُردو لکھنا اور پڑھنا آجائے؛ تاکہ وہ اپنے اسلاف کے علمی ورثہ سے جڑے رہیں، علماء کو ان کا علم، مشائخ کو ان کی دینی نسبت اور دعوتی کام کرنے والوں کو ان کی دعوتی وابستگی انھیں اپنے بچوں کی طرف سے بے پرواہ نہ کردے اور یہ خیال نہ پیدا ہوجائے کہ ہماری یہ دینی وابستگی لازمی طور پر ہماری آنے والی نسلوں کو بھی دین سے مربوط رکھے گی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کے اُسوہ کو یاد رکھیں کہ پورا خاندان نبوت کے نور سے منور ہے، اس کے باوجود انھیں اپنی وفات کے وقت یہی فکر دامن گیر ہے کہ ہماری اولاد دین پر قائم رہے گی یا نہیں؟ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا کبھی ہم نے اس پر غور کیا ہے؟ اور کیا ہم نے بھی کبھی اپنی اولاد سے استفسار کیا ہے: "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ"؟؟

☆☆☆☆☆

راہ عمل

ملک میں مسلمانوں کی ذمہ داری

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس ملک میں جہاں اکثریت غیروں کی ہے، جہاں ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا کیے جارہے ہیں، ان کو زہر آلود کرنے کی سازشیں بھی رچی جارہی ہیں، مسلمانوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے اندر اس کا احساس نہیں، مستقبل کی ان کو کوئی فکر نہیں، وہ مستقبل جس کا تعلق ملک سے بھی ہے اور مسلمانوں سے بھی، مسلمانوں کو اس ملک سے الگ نہیں کیا جاسکتا، وہ اس ملک کے لیے اخلاق و کردار کی مشعل کی طرح ہیں، اگر یہ مشعل نہ رہے تو ملک خطرہ میں ہے، افسوس ہے اس اکثریت پر بھی جس کو اس کا ذرا بھی خیال نہیں کہ مسلمان اسی ملک کا حصہ ہیں، اور ان کی کمزوری سے ملک کمزور ہوگا، غفلت دونوں طرف سے ہے مگر مسلمان ایک صاحب پیغام قوم ہیں، ان کے اوپر جو ذمہ داری ہے وہ بہت بڑی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہی اس ملک کو متحدہ ملک بنایا، یہاں کے باشندوں کو جینے کا قرینہ سکھایا، اور ملک کو بہت کچھ دیا، اب پھر یہ ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کی کوشش کریں، لیکن اس کے لیے مسلمانوں کو اپنی افادیت ثابت کرنی پڑے گی، اور یہ بتانا پڑے گا کہ ان کا وجود اس ملک کے لیے کتنا ضروری ہے، انہوں نے اس ملک کو کیا دیا اور اب بھی وہ دینے کی پوزیشن میں ہیں، ان کا کام لینا نہیں ہے، وہ اس ملک میں دینے کے لیے آئے تھے۔

ملک کی موجودہ صورت حال صرف مسلمانوں کے لیے نہیں پورے ملک کے لیے خطرناک ہوتی جارہی ہے، کسی ملک کا دو خانوں میں تقسیم ہوجانا چاہے وہ زمینی تقسیم نہ ہو، بڑا خطرناک ہے، اس کے نتیجہ میں انتشار کی وہ فضا بن جاتی ہے کہ پھر سنجیدہ اور ترقی کے ٹھوس اور مفید کام دشوار ہوجاتے ہیں، اور وہ ملک زوال کے راستہ پر پڑ جاتا ہے۔

اکثریت کے ذہنوں کو ایک طبقہ کی طرف سے جس طرح زہر آلود کیا جارہا ہے اور گڑھ گڑھ کر فرضی باتیں ان کے دماغوں میں بٹھائی جارہی ہیں اور خاص طور پر نصاب تعلیم کے ذریعہ سے نفرتوں کے جو بیج بوئے جارہے ہیں اس سے نئی نسل کے اندر خاص شدت پسندی اور فرقہ واریت پیدا ہوتی چلی جارہی ہے، جو طبقہ یہ کام کررہا ہے اس کے پیش نظر نہ ملک ہے اور نہ ملک کی ترقی ہے، وہ صرف اپنی روٹیاں سیکنے میں لگا ہے، مگر افسوس ان سمجھدار لوگوں پر ہے جو کبھی کبھی بے شعوری میں ان کا شکار بن جاتے ہیں اور ملک کو نقصان پہنچادیتے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اکثریت کے ذہنوں کو صاف کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے جو ممکن ہو وہ طریقے اختیار کیے جائیں اور عملی طور پر بھی اس کی ایسی شکلیں اختیار کی جائیں جن کو دیکھ کر غلط فہمیاں دور ہوں، اور اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے آسکے۔

اس وقت میڈیا نے جو یہودیوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، مسلمانوں کو نشانہ بنارکھا ہے، فرضی چیزیں بنا بنا کر دکھائی جاتی ہیں، اور ان کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں، مسلمانوں کو اس کے مقابلہ کے لیے صحیح تصویر پیش کرنی ہوگی، اور اس طاقت کے ساتھ اس کو سامنے لانا ہوگا جو طاقت و وسائل اس وقت مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے جارہے ہیں، اس کے لیے بڑی پلاننگ کی ضرورت ہے، بہت غور وخوض کی ضرورت ہے، اور اکثریت کے ان لوگوں کو ساتھ لے کر کام کرنے کی ضرورت ہے، جو صاف اور کھلا ہوا ذہن رکھتے ہیں، اور ٹھنڈے دل سوچتے ہیں، جن کے دلوں میں ملک کی سچی محبت ہے، اور ملک کو دنیا کے نقشہ میں ممتاز مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور سوچتے ہیں اور غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتے، ایسے لوگوں کو ساتھ لے کر پورے ملک میں ایک نئی فضا قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے، جو فضا امن وامان کی ہو، سکون واطمینان کی ہو، اور جس میں ملک کی ترقی کے لیے ٹھوس اور مثبت کام آسانی کے ساتھ سوچ سکیں اور کیے جاسکیں۔

☆☆☆☆☆

صحبتے با اہل دل

موجودہ حالات میں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے مجلسی افادات

ترتیب وپیشکش: محمد سلمان بجنوری ندوی

ترقی کا راز مسلمانوں کا وجود

ہمارے یہاں مسلمانوں میں جرأت و بے باکی ہمت وحوصلہ کی کمی ہے، بہت جلدی گھبرا جاتے ہیں، حالات سے بہت جلدی متأثر ہوتے ہیں، برداشت کا مادہ کم ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو چنداں گھبرانے اور خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے یاد ہے جب ملک ہندوستان آزاد ہوا، پھر اس کے بعد تقسیم کا عمل ہوا، ایک تعداد تقسیم کے حق میں تھی اور ایک اس کے خلاف، اور جو ملک سے جانے والے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں، یہ ذلت وپستی کا شکار ہوجائیں گے، ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا، ظاہر ہے لوگوں کا یہ کہنا غلط بھی نہیں تھا، کیونکہ حالات ایسے تھے، لیکن الحمدللہ تقسیم کے بعد سے آج تک اس پوری مدت میں مسلمان یہاں عزت و وقار اور اپنی مکمل شناخت کے ساتھ آباد ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسلمان اس ملک میں رہیں، لہٰذا مسلمان یہاں موجود ہیں، ہم نے دیکھا کہ یہاں کئی مرتبہ حالات خراب ہوئے، مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کیے گئے، شریعت اسلامی پر حملے کیے گئے، لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا کہ یہ لوگ اپنی سازش میں کامیاب ہوں، جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے مسلمان اس ملک میں اپنے پورے ملی وجود کے ساتھ باقی رہیں گے، ہمارے مسلمان بھائیوں کو چاہیے کہ اسلامی شناخت کے ساتھ یہاں رہیں، ان کو اس ملک میں رہنے کا پورا حق ہے، حالات جیسے بھی ناگفتہ بہ ہوں، جمے رہیں، صبر و ضبط سے کام لیں، اپنی جانب سے کوئی ایسا اقدام نہ کریں کہ لوگ یا حکومت سمجھے کہ ان سے ملک کو خطرہ ہے بلکہ ہم ایسا کردار پیش کریں جس سے اہل وطن متأثر ہوں اور ملک کی سالمیت، فلاح و بہبود ہم ہی سے وابستہ ہو، اہل وطن یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں کہ یہ ملک مسلمانوں کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا، اس ملک کی ترقی کا راز مسلمانوں کا وجود ہے۔

ملک میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ

تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، بڑی بڑی سلطنتیں آئیں اور ختم ہوگئیں، بڑے بڑے ظالم اور جابر حکمراں اور فرعون وقت آئے اور فنا ہوگئے، واقعات بھرے پڑے ہیں، یہ عروج و زوال کی داستان ہر قوم سے جڑی ہوئی ہے، اس وقت دنیا کی جتنی بھی قومیں ہیں وہ کسی قوم سے خوفزدہ نہیں ہیں، وہ صرف اسلام اور مسلمانوں سے خوفزدہ ہیں، لہٰذا ان کے وجود کو ختم کرنے کی ہر طرح سے کوششیں کی جاتی رہی ہیں، ہمارے ملک ہندوستان میں بھی یہی ہورہا ہے، کبھی مسلم پرسنل لا پر حملہ تو کبھی مساجد اور مدارس پر حملہ، یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بالکل کمزور و بے بس کردیا جائے اور یہ کسی قابل نہ رہیں، ان کا وجود ہی ختم ہوجائے، نہ یہ کسی سرکاری ادارہ میں رہیں اور نہ ہی سیاست میں ان کا کوئی کردار ہو، جس کے لیے یہ لوگ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو ہراساں کرتے رہتے ہیں، لیکن ہمیں پوری امید ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ ہوگی، مسلمان دوبارہ اپنی پوری قوت اور شان وشوکت کے ساتھ اس ملک میں ابھریں گے:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

اس وقت مسلمان کیا کریں؟

ایک سوال بار بار ذہن میں آتا ہے کہ ایسے حالات میں مسلمان کیا کریں؟ اس کے لیے ہمیں مکی دور کو سامنے رکھنا چاہیے کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو نماز وغیرہ عبادات کا حکم تھا، کسی کو جواب دینے کے لیے نہیں کہا گیا تھا: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَ أَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَ آتُوا الزَّكَوٰةَ" [سورۃ النساء: ۷۷] کیونکہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کسی کا مقابلہ کرتے یا جواب دیتے، یہی نمونہ ہمیں اپنے سامنے رکھنا ہے، ہمارے اوپر جو اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت، دین وشریعت کی ذمہ داری ڈالی ہے، اس کو انجام دیتے رہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت پر عمل پیرا ہوں اور اسی میں اپنی نجات سمجھیں اور صبر وضبط سے کام لیں، دانشمندی اور حکمت سے کام لیں، اس کے علاوہ برادران وطن کی بھی فکر کریں، ان کے درمیان دعوت کی اہم ذمہ داری کو ادا کرتے رہیں، اس کام کو بھی بڑی احتیاط کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، یہ وقت بڑا نازک ہے، فتنوں کا انبار ہے اور دشمن گھات میں ہے، اللہ پر توکل رکھیں، کئی مرتبہ دیکھنے میں آیا کہ بعض مسلمانوں نے طیش میں آکر کوئی قدم اٹھایا لیکن بعد میں ان کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی، ظالم کا ظلم جب انتہا کو پہنچ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے خاتمہ کا فیصلہ فرمادیں گے۔

☆☆☆☆☆☆

نقد ونظر

دل جو تھا ظلمت کدہ ماہ منور ہو گیا....

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی: احوال وآثار

ایک مطالعہ

نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (ولادت: ۱۶/ مارچ ۱۸۹۲ء، وفات: ۶/جنوری ۱۹۷۷ء) بیسویں صدی مسیحی کے ایک باکمال اور توفیق یافتہ اہل قلم تھے۔ رب ماجد نے ان کو دین کی فہم، علم کی دولت، قلم کی امانت، وقت کی اہمیت، اعتدال کی صفت اور نظم وضبط کی پابندی جیسی قابل صد رشک نعمتوں سے مالامال کیا تھا۔ انہوں نے ایک طرف تو قرآنیات اور اسلامیات کے ابواب میں بیش بہا خدمات انجام دیں، تو دوسری طرف انہوں نے فلسفہ، نفسیات، ترجمہ نگاری، صحافت، سوانح نویسی اور اردو ادب کے دیگر گوشوں کو بھی بھرپور نوازا۔

مولانا دریابادی نے قرآن کریم ومتعلقات قرآن، حدیث شریف، سیرت رسولؐ، تصوف، فلسفہ، نفسیات، تراجم، سوانح، سفرنامہ اور متفرق عنوانات پر مشتمل ستر سے زائد کتابیں تحریر کیں۔ ان کی کتابوں میں تفسیر ماجدی انگریزی (۴ جلدیں) اردو (۷ جلدیں)، قصص ومسائل، الحیوانات فی القرآن، اعلام القرآن، جغرافیہ قرآنی، بشریت انبیاءؑ، مشکلات القرآن، چہل حدیث، شوق آخرت، مناجات مقبول، ذکر رسولؐ، تصوف اسلام، سفرحجاز، حکیم الامت- نقوش وتاثرات، محمد علی-ذاتی ڈائری کے چند ورق، اکبرنامہ، مکتوبات سلیمانی (۲ جلدیں)، اقبالیات ماجد، انشائے ماجد، تاریخ اخلاق یورپ، نشریات ماجد، مثنوی بحرالمحبت، معاصرین اور وفیات ماجدی زیادہ مقبول ہوئیں۔

مولانا دریابادیؒ کو صحافت سے گہری دل چسپی تھی۔ انہوں نے اپنی عمر کے ابتدائی دور میں متعدد مراسلے اور مضامین انگریزی واردو اخبارات وجرائد کے لیے لکھے۔ اس کے بعد الناظر لکھنؤ، معارف اعظم گڑھ، حقیقت لکھنؤ اور ہمدرد دہلی جیسے جرائد سے مختلف نوعیّتوں کی وابستگی کے بعد انہوں نے ۱۹۲۵ء میں ہفتہ وار سچ لکھنؤ کا اجرا کیا۔ یہ ہفتہ وار جریدہ صدق اور پھر صدق جدید کے ناموں سے ان کی وفات کے بعد تک نکلتا رہا۔

مولانا دریابادیؒ کی حیات مبارک آیت ربانی: (ترجمہ) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے خدائے رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے دل میں) محبت پیدا کردے گا''۔ [سورہ مریم:۹۶] کی روشن تفسیر تھی۔ انہوں نے اپنی حیات مستعار کا ہر لمحہ اسلام کی حقانیت کے اثبات، اس کی سربلندی اور قرآن کریم کی خدمت کے لیے وقف کردیا تھا۔ رب ماجد نے بندہ ماجد کی اپنے پسندیدہ دین کی خدمت قبول کی اور ان کی یاد اپنے بندوں کے دلوں میں آج بھی باقی اور تازہ رکھی ہے۔ چناں چہ مولاناؒ کی وفات کے بعد ہی سے ان کے حالات وسوانح سے عام لوگوں کو واقف کرانے اور ان کے پیام ونظریات وافکار کی نشرواشاعت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ بفضلہٖ آج بھی جاری ہے۔ مولاناؒ کے حالات جاننے کا اولین ماخذ ان کی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' ہے۔ ان کے حالات وخدمات پر متعدد جرائد نے خصوصی شمارے شایع کیے۔ اہل قلم نے مضامین اور کتابیں لکھیں۔ مختلف جامعات اور تحقیقی اداروں میں ان پر تحقیقی کام ہوا۔ کئی اداروں اور تنظیموں نے ان پر سیمنار کروائے۔ بعدازاں یہ مقالے شائع ہوئے۔ ان کے مطالعے سے ماجد شناسی میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اسی زریں سلسلے کی نئی کڑی ''دل جو تھا ظلمت کدہ ماہ منور ہو گیا... مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ: احوال وآثار'' نامی کتاب ہے۔ یہ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی انگریزی تصنیف "From Darkness into Light, Life and Works of Mulana Abdul Majid Daryabadi" (اشاعت ۲۰۱۳ء) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم پروفیسر قدوائی کے لائق شاگرد ڈاکٹر محمد حارث بن منصور ہیں۔ یہ کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے ۲۰۲۲ء میں شایع کیا ہے۔ کتابت، کاغذ اور طباعت کا معیار بہترین اور خوب صورت ہے۔ قیمت ۵۰۰ روپے ہے۔ ملنے کا پتہ براؤن بک پبلی کیشنز، شمشاد مارکٹ علی گڑھ ہے۔

لائق مترجم ''عرض مترجم'' میں رقم طراز ہیں:

''اللہ رب العزت کا بے پناہ فضل وکرم ہے جس نے اپنے بندہ ناتواں کو ایک ایسی ذمہ داری

کے لیے قبول فرمایا جس کا وہ خود کو اہل نہیں سمجھتا۔

استادگرامی پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اپنی تصنیف، سوانح حیات مولانا عبدالماجد دریابادی From Darkness into Light: Life and Works of Maulana Abdul Majid Daryabad کے اردو ترجمے کی ذمہ داری مجھے تفویض کی جو بحمداللہ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی''۔(ص ۷)

ڈاکٹر حارث کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی چار ابواب میں مولانا دریابادی کے خاندان، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم اور عقلیت پرستی والحاد سے کش مکش اور نبرد آزمائی کے بعد تجدید اسلام کی دولت سے سرفرازی کا جامع تذکرہ ہے۔ پانچویں باب میں ان علماء ومشائخ کا ذکر ہے جنہیں مولانا دریابادی کا استاد اور سرپرست ہونے کا شرف حاصل ہے اور جن کی مخلصانہ کوششوں اور حکمت وتدبر سے مولانا دریابادی از سرنو اسلام میں داخل ہوئے۔ اگلے چار ابواب میں مصنف کتاب نے مولانا دریابادی کی فلسفہ ونفسیات، اردو صحافت، قرآنیات اور اسلامیات اور اردو زبان وادب میں عظیم الشان خدمات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ آخری دو ابواب میں مولانا دریابادی کی وفات، مقصد حیات اور پیغام کا تفصیلی ذکر ہے جو ان کی عملی زندگی اور تصنیفات و نگارشات میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ آخر میں حواشی اور ایک کتابیات ہے جو مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی لکھنؤ نے تیار کی ہے۔ اس میں مولانا کی تمام تصنیفات، ان کے متعلق کتب ورسائل.....کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ استاد گرامی کی یہ کتاب مولانا دریابادی کی حیات وخدمات پر ایک مکمل سوانحی دستاویز ہے''۔(ص ۸)

مصنف کتاب پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کتاب کے ''پیش لفظ'' میں مولانا دریابادی کا امتیازی وصف یہ تحریر کرتے ہیں:

''مولانا دریابادی کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے ہم عصر علماء کے برعکس مغرب کے ہمہ گیر عروج اور تسلط سے لاحق خطرے کا موثر جواب دیا۔ اردو انگریزی دونوں زبانوں میں قرآن کریم کی تفسیر تصنیف کی جو جدید اور مغربی تعلیم یافتہ طبقے کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات اور شکوک وشبہات کو دور کرنے میں قابل قدر کردار ادا کرتی ہے۔ ان کی تفاسیر تقابلی ادب بالخصوص یہودیت، عیسائیت اور بائبل کے تنقیدی مطالعے میں قابل فخر درک رکھتی ہیں۔ ان تفاسیر میں دلائل کی بنیاد پر قرآن کی بائبل پر فضیلت ثابت کی گئی ہے۔ مولانا دریابادی کی تفاسیر اور دیگر تصنیفات دل کش اسلوب، دل فریب زبان وبیان اور مغربی تصنیفات ومآخذ کے حوالوں سے مملو ہیں۔ مولانا دلائل وشواہد کی بنیاد پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام فطری طرز زندگی کی نمایندگی کرتا ہے اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے۔ مستشرقین اور مخالفین اسلام کو مولانا دریابادی کے موثر اور دندان شکن جواب نے جدید اور مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اعتماد اور فخر پیدا کیا اور انہیں اسلام کے اقرار اور اس پر عمل کرنے کے قابل بنایا۔ مولانا دریابادی کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی تعلیمات، اس کے حیات بخش پیغام اور احکام اسلام اور قرآن کو ایسے دل کش انداز، اسلوب، زبان اور بیان میں پیش کیا جو قارئین کی علمی وذہنی سطح کے مطابق ہے''۔(ص ۱۴)

پروفیسر قدوائی کتاب کے اردو مترجم ڈاکٹر محمد حارث کے متعلق رقم طراز ہیں:

''کتاب کے مترجم ڈاکٹر محمد حارث بن منصور میرے انتہائی عزیز، لائق اور ہونہار شاگرد، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نوجوان ہیں۔ فی الوقت علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے ملحق ادارے سرسید اکیڈمی میں سرسید ری سرچ فیلو کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مرکز علوم القرآن کی جانب سے عزیزی ڈاکٹر محمد حارث بن منصور کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مترجم کے علم وعمل میں مزید اضافہ فرمائے''۔(ص ۱۵)

پروفیسر قدوائی مزید تحریر کرتے ہیں:

''میں امید بھی کرتا ہوں اور دعا بھی کہ مولانا دریابادی کی مثالی زندگی اور عظیم الشان خدمات پر مشتمل یہ اردو ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے طاقت ور محرک اور افادیت کا باعث ہو، بالخصوص ان تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کے لیے جنہیں موجودہ وقت کے خدا فراموش، تجدد زدہ اور لامذہبی معاشرے میں اپنے ایمان وعقائد اور مسلم شناخت کی حفاظت کرنی ہے، اور اس کتاب کو اہل علم طبقے میں مقبولیت اور پزیرائی حاصل ہو''۔(ص ۱۵)

کتاب کے مطالعے سے حیات ماجدی کے تمام اہم گوشوں تک بخوبی رسائی ہوتی ہے۔ سوانح ماجدی کی صحت، زبان کی درستی، بیان کی صفائی، ترجمے کی روانی، الفاظ کی فراوانی، ادب کی شگفتگی، اسلوب کی تازگی، سلاست کی خوبی، فصاحت کی دل کشی، بلاغت کی دل فریبی، اہم نکات سے حکیمانہ استخراج اور واقعات کا دانش ورانہ تجزیہ اس کتاب کے نمایاں اوصاف ہیں۔

کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''مولانا دریابادی کی اسکول کی تعلیم نے انہیں اعلیٰ تعلیم اور عظیم تعلیمی مقاصد کے حصول کے لیے بہتر طور پر تیار کیا۔ اس ماحول نے انہیں کافی حد تک مغربی ثقافت کی کوکھ سے جنم لیتی ہوئی نئی دنیا، غیر مسلموں خاص طور پر ہندو ہم وطنوں کے ساتھ بقائے باہمی اور نئے عالمی نظام کے زبردست مسائل کے لیے فکری وذہنی طور پر تیار کیا۔ اس طرح وہ اپنی روایتی خاندانی زندگی کی بندشوں سے دور ہوگئے جو مسلمانوں کے عقیدے اور طریقوں سے کافی حد تک وابستہ تھیں۔ لکھنؤ جیسے بڑے شہر کے ایک کالج میں ان کا داخلہ ایک نئی دنیا میں داخل ہونے کی علامت ہے جس میں مغربی افکار ونظریات کا تسلط تھا۔ یہ دنیا بہت مختلف تھی جس کا مولانا دریابادی کے والدین اور حتی کہ ۱۹۱۰ء کی دہائی کے ہندوستانی مسلمانوں کو بھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس وقت مولانا دریابادی اپنی زندگی کے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے تنہا تھے''۔ (ص ۲۸، ۲۹)

الحاد، تشکیک وارتیاب کے بحر ظلمات میں ایک دہائی تک سرگرداں رہنے کے بعد رب ماجد کی توفیق وفضل وکرم سے بندہ ماجد عہد الست میں کی ہوئی اپنی بیعت اول پر واپس آگئے۔ پروفیسر قدوائی اس اہم واقعے کو بیان کرنے کے بعد اس کے تجزیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مولانا دریابادی بے لگام مطالعے کے نتیجے میں راہ حق سے بھٹک گئے۔ ان کے پاس اپنے شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی رہ نما نہیں تھا۔ ان کے اردگرد شاید ہی کوئی عالم تھا جو جدید علوم کی طرف سے درپیش مسائل کی سنگینی اور نزاکت سے واقفیت بھی رکھتا ہو چہ جائے کہ وہ ان کا علاج کر پاتا۔ علمائے کرام ان نظریاتی حملوں سے مزاحمت کے لیے بالکل تیار نہیں تھے اور اسی وجہ سے وہ کوئی جواب نہیں دے سکے''۔ (ص ۴۵)

اس زخم کا اندمال اور اس فتنے کا انسداد پروفیسر قدوائی یہ تجویز کرتے ہیں:

''آج علمائے کرام کو ان جدید خطرات کے بارے میں بے دار کرنے کی مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے جو خاص طور پر نوجوان مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ آج کے علمائے کرام کو نوجوان مسلمانوں کی بدحالی اور ان کی کم زوری سے اچھی طرح واقف ہونا ضروری ہے۔ آج نوجوان خواہ وہ مسلمان ہوں یا کسی دوسرے عقیدے کے ماننے والے، پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا، انٹرنیٹ، خاص طور پر سوشل نیٹ ورکس اور بڑھتے ہوئے مغرب اور عالم گیریت دونوں کی طرف سے لاحق خطرات کے سامنے کھڑے ہیں۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی درحقیقت ہمارے لیے ایک موقع بھی ہے اور چیلنج بھی، جس کا استعمال اسلام کے حیات بخش پیغام کی تبلیغ اور ترویج کے لیے کیا جانا چاہیے۔ جدید ٹیکنالوجی پر تنقید یا انقطاع کرنے سے صرف ہمیں ہی نقصان ہوگا جب کہ دنیا اپنی رفتار کے ساتھ چلتی رہے گی اور مادی ترقیات حاصل ہوتی رہیں گی۔ لہٰذا اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ نوجوان مسلمان جوان جدید آلات کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں ان کو ایک مضبوط اخلاقی احساس، تقویٰ، خدا کے سامنے جواب دہی کا شعور اور زندگی کی ایک متعین سمت اور ہدف سے آراستہ کیا جائے۔ اسلام اور رہبانیت دو متضاد تصور ہیں۔ ہمیں ان جدید مسائل سے نبرد آزما ہونے اور مزاحمت کرنے کی ضرورت ہے۔ مغربی مفکرین کی پُرفتن تحریروں سے جو سوالات مولانا دریابادی کے ذہن میں پیدا ہوئے ان کا جواب دینے کے لیے کوئی عالم دین موجود نہیں تھا کیوں کہ اس وقت کے علمائے کرام کو ان نقصانات کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا''۔ (ص ۴۵، ۴۶)

پروفیسر قدوائی علمائے کرام اور مسلم ماہرین تعلیم کو مشورہ دیتے ہیں:

''یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ علمائے کرام اور مسلم ماہرین تعلیم اور قومی رہ نما موجودہ طرز زندگی کے بارے میں باریک بینی سے آگاہی حاصل کریں۔ نوجوانوں کے ساتھ ان کا تعلق مضبوط اور مثبت ہونا چاہیے۔ انہیں نوجوانوں کی توانائی کو مثبت اور نتیجہ خیز طریقوں میں منتقل کرنے کے قابل بننے (بنانے) کی ضرورت ہے''۔ (ص ۴۶)

مصنف کتاب مولانا دریابادی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں:

''مولانا دریابادی کی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ زمانے کے نبض شناس تھے اور حالات حاضرہ کے جدید مسائل سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی شدید خواہش رہتی تھی کہ ان جدید مسائل کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کیا جائے۔ ان کے گہرے مشاہدات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا دریابادی کے ذہن میں اردو اور انگریزی تفسیر لکھتے وقت کچھ خدشات تھے۔ ان خدشات نے مولانا کے اندر راہ حق کی جستجو کی تحریک پیدا کی۔ لہٰذا ان کی تفسیر کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفسر قرآن ایمان وعقل اور روایت اور جدیدیت کا مکمل اور حسین امتزاج ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ جن مسائل کو مولانا دریابادی نے موضوع بحث بنایا ہے، موجودہ ماہرین قرآن کو ان پر تحقیق

کرنی چاہیے۔اس پر جتنی جلدی عمل کرلیا جائے گا قرآن کے مفہوم اور پیغام کو اتنا ہی بہتر طور پر سمجھا جاسکے گا''۔(ص۱۳۱)

پوری کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔جن میں حیات ماجدی کے تمام گوشے اپنی درخشانی و تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔مولانا دریابادی کی ابتدائی زندگی، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، اوصاف اورامتیازات کا دل نشیں تذکرہ قارئین کو مسحور کرتا ہے۔

کتاب کا آخری باب بہ عنوان ''مولانا دریابادی کا مقصد اور پیغام'' ہے۔یہ باب کتاب کا خلاصہ ہے۔اس کے اختتام پر مصنف رقم طراز ہیں:

''مولانا دریابادی کا مقصد اور پیغام مستشرقین کے اسلام پر حملوں کی علمی وتحقیقی تردید، برصغیر کے مسلمانوں کو مغربیت کی طرف سے درپیش خطرات سے تنبیہ، تقابل ادیان کے تناظر میں اسلام اور قرآن کی عظمت اور فضیلت کے اثبات، آزادی کے بعد ہندوستان میں تباہ وبرباد مسلم اقلیت کی حوصلہ افزائی اور مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے اسلامی عقائد واعمال اور نظام حیات کو موثر اور توضیحی انداز میں پیش کرنے پر مشتمل ہے۔مولانا نے یہ سب اپنے دھاردار قلم، قوت بیان، فہم وفراست، وسعت فکرونظر، دانش مندی ودانائی اور وسیع مطالعے سے حاصل کیا۔ وہ ایک حقیقی دانش ور تھے جو کبھی عوامی یا سیاسی مقاصد سے مغلوب نہ ہوئے، بلکہ انہوں نے ہمیشہ قرآن وسنت سے تحریک ورہ نمائی حاصل کی اور اپنے رسالوں، کتابوں اور تصنیفات، بالخصوص اپنی اردو وانگریزی تفاسیر کے ذریعے اسلام کے حیات بخش پیغام کو موثر انداز میں پیش کیا۔ان کی زندگی قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے معانی اور پیغام کی عملی تفسیر ہے:

''والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون''. [سورۃ الزمر:۳۳] جو حق کو لے کر آئے اور جو اس کی تصدیق اور تائید کرے وہی لوگ متقی ہیں''۔(ص۲۸۴)

مولانا دریابادی جیسی ہشت پہل شخصیت کے حالات وخدمات پر تحریر کردہ یہ کتاب اعلیٰ معیار کی ہے۔ اصل تصنیف کا لطف تو انگریزی زبان میں ملے گا۔اس لیے کہ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی جیسے بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر انگریزی ادبیات کے خامہ زرنگار کی جولانی، روانی، شادابی اور دل کشی اسی میں ملے گی۔

اس اردو ترجمے کے سلسلے میں چند ضروری باتوں کی نشان دہی اس لیے کی جارہی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کرلی جائے:

☆ ص۱۶: ''مخدوم آب کش کے پوتے مخدوم بخش مولانا دریابادی کے پر پوتے تھے''۔

پہلی بات یہ کہ حضرت مخدوم آب کش اور مخدوم بخش کے درمیان میں آٹھ واسطے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مخدوم بخش مولانا دریابادی کے پر پوتے نہیں پردادا تھے۔

☆ ص۲۷: ''اپنے درجے کے عریف مقرر کیے گئے''۔

عریف عربی زبان کا لفظ ہے۔اردو میں نامانوس ہے۔اس کی جگہ نقیب یا مانیٹر زیادہ بہتر ہے۔

☆ ص۴۹: ''معرکۃ الآراء'' لکھا ہے۔

یہ غلط ہے ''معرکہ آرا'' ہونا چاہیے۔

☆ کتاب میں ہجری یا عیسوی کی علامتیں (ھ،ء) نہیں ہیں اس وجہ سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ کون سا سنہ ہے؟

اس کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ صاحب سوانح مولانا عبدالماجد دریابادی دیگر اوصاف وکمالات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مترجم بھی تھے۔ان کی یہ صفت ان کے نواسے اور علمی جانشین پروفیسر عبدالرحیم قدوائی مدظلہ میں اس کمال کے ساتھ منتقل ہوئی کہ پروفیسر قدوائی انگریزی اور اردو کے بہترین مترجم ہیں۔انہوں نے بفضلہٖ قرآن کریم کا نہ صرف انگریزی ترجمہ کیا ہے بلکہ تفسیر، قرآنیات اور اسلامیات کی متعدد گراں قدر کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں۔وہ قرآن کریم کے انگریزی تراجم کے مبصر اور تنقید نگار کی حیثیت سے عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ان کی یہ صفت ان کے لائق اور عزیز شاگرد ڈاکٹر محمد حارث بن منصور زادہ اللّٰہ علماً وفضلاً میں منتقل ہوئی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی ہے وہ عربی، اردو اور انگریزی زبانوں پر بفضلہٖ قدرت رکھتے ہیں۔اس طرح یہ کتاب ایک خوش گوار تسلسل کی عمدہ مثال ہے۔

ڈاکٹر حارث ترجمہ نگاری کے میدان میں نووارد کہے جاسکتے ہیں لیکن اناڑی نہیں ہیں۔ انہوں نے جس مشاقی اور لیاقت سے اپنے عالی مرتبت استاد محترم کی اس اہم کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے اس پر طبع زاد تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔

''ماجدیات'' سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب تحفہ شائگاں ہے۔اس کے لیے مصنف اور مترجم دونوں لائق صد مبارک باد ہیں۔ رب ماجد ان کے اس عمل کو خلعت قبول بخشے اور کتاب کا فائدہ بیش از بیش عام فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

☆تصنیفات مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

گرامی قدر مولانا محمد خالد ندوی مدظلہ استاذِ حدیث وعمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام ، دار العلوم ندوۃ العلماء ایک ماہر اسلامی خطیب کی حیثیت سے عرصہ سے متعارف ومشہور ہیں۔ ان کی خطابت میں بے ساختگی کیساتھ خوبصورت لب ولہجہ اور دلکش الفاظ و تعبیرات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، اور وہ اپنی سحر بیانی سے ہمیشہ دلوں کو مسحور کرتے رہے ہیں۔ جہاں ان کی تقریریں ان کی وسعتِ مطالعہ کی نشاندہی کرتی ہیں، وہیں ان کے علم میں پختگی اور گہرائی بھی ان کی خطابت میں نمایاں رہتی ہے۔ وہ نکتہ بیاں بھی ہیں اور نکتہ سنج بھی، اور حکمت ودانائی اور شعور وآگہی بھی بھرپور ان کو عطا ہوئی ہے۔ ان امتیازات کے ساتھ وہ کئی دہائیوں سے اپنی خطابت کے جلوے بکھیرتے رہے ہیں، اور دنیا انہیں خطیب کے طور پر جانتی رہی ہے، اور خطابت کے لیے انہیں قریب وبعید سے ہمیشہ دعوت ملتی رہی ہے۔ حال ہی میں مولانا مدظلہ کا اک شعری دیوان جب منظرِ عام پر آیا تو ان کا یہ جوہر بھی بہت سے لوگوں کے سامنے پہلی بار آیا۔ زبان وبیان کا وہ رنگ و بانکپن جو تقریروں میں ظاہر ہوتا تھا، وہ ان کی شاعری میں اور ابھر کر آیا، اور نگاہوں کو خیرہ کر گیا۔

اِدھر پے بہ پے مولانا کی قلم سے مختلف موضوعات پر تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں تو مولانا مدظلہ کی ہمہ گیری کا اعتراف ہونے لگا۔ یہ تالیفات ان مضامین اور تحریروں کا مجموعہ ہیں جو سالہا سال سے اس انتظار میں تھیں کہ ان کو افادۂ عام کے لیے ترتیب وتنسیق کے ساتھ شائع کیا جائے۔ مولانا کے ان مضامین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے عناوین بڑے دلفریب اور سحر انگیز قائم کیے گئے ہیں؛ بیشتر عناوین کسی معروف شعر، مصرع یا پھر قطعۂ آیت یا حدیث سے مستعار لیے گئے ہیں۔

سر دست ہمارے سامنے مولانا کی کئی تالیفات ہیں، جو حال میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی ہیں۔ ان میں اول الذکر **”رمضان المبارک - بہاروں کا موسم“**، دوسرے **”صحابۂ کرام کی زندگی کے روح پرور واقعات“** اور تیسرے **”مضامینِ خالد غازیپوری“** ہیں۔

”رمضان المبارک - بہاروں کا موسم“ تقریباً سو صفحات کا ایک وقیع ومرقع رسالہ ہے، جس میں رمضان شریف کے موضوع کا کئی جہتوں سے احاطہ کیا گیا ہے۔ مصنف کی ”اپنی بات“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کے افادات بھی شامل ہیں۔ رسالہ کے جلی عناوین کچھ اس طرح ہیں: ”استقبالِ رمضان بزبانِ رمضان“، ”روزہ اور اکابر کے رمضان کی چند جھلکیاں“، ”بابرکت دن - رحمت بھری راتیں“، ”روزے کے مسائل“، ”تراویح“، ”اعتکاف“، ”عید الفطر کا پیغام“ اور ”دعائیں“۔ اس طرح بابرکت مہینہ کے موضوع پر یہ بابرکت رسالہ بڑی جامعیت کے ساتھ اپنی بات مکمل کر لیتا ہے۔ ہر سال ماہ مبارک کی آمد کے موقع پر اس کا مطالعہ سب کے لیے مفید اور مولانا کے باعثِ اجر ہے۔

”صحابۂ کرام کی زندگی کے روح پرور واقعات“ مولانا مدظلہ کی قدیم تحریروں میں سے ایک ہے۔ اس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور ان کے جاں نثار ووفا شعار صحابہؓ کے اہم اور ایمان افروز واقعات کا ذکر ایسے اسلوب وزبان میں کیا گیا ہے کہ قاری کا دل راست طور پر متاثر ہوتا ہے، اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ زیادہ تر ایسے واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے، جو رسولِ اکرم کو دعوت کی راہ میں اور آپؐ کے اصحابؓ کو راہِ ہدایت میں پیش آئے، جن میں حالات کی ناسازگاری کے ساتھ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کی استقامت وثابت قدمی اور دینِ حق پر شیفتگی وفریفتگی کا عنصر غالب ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلم معاشرہ کی اہم ضرورت کو یہ رسالہ پورا کرتا ہے، اور وہ یہ کہ صحابۂ کرام کی محبت اور عظمت، قداست و عقیدت اس کے مطالعہ سے دلوں میں راسخ ہوتی ہے۔

مضامینِ خالد غازیپوری، حصہ اول

مولانا مدظلہ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ۲۶؍ سال کے عرصہ میں مولانا کے قلم سے 'تعمیرِ حیات' کے صفحات کے نذر کیے گئے۔ یہ مولانا کے ایک ممتاز شاگرد قاضی محمد نوشاد الدین ندوی اورنگ آبادی کی ترتیب و پیشکش ہے۔ یہ مجموعہ جو ۲۴۰؍ صفحات پر مشتمل ہے مضامینِ خالد کا پہلا حصہ ہے، جس میں مختلف ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ پہلا باب 'سیرت'، دوم 'اسلامیات'، سوم 'علم اور اخلاقیات'، چہارم 'ادبیات'، پنجم 'متفرقات' کے عناوین سے موسوم ہے۔ اس طرح اس مجموعۂ مضامین میں خالص تحقیقی، خالص ادبی اور خالص علمی و دینی ہر اسلوب و موضوع کو اختیار کیا گیا ہے، اور بایں طور یہ ایک ایسی کتاب تیار ہو گئی ہے جو نکتہ سنجی، دقیقہ رسی، ادبی چاشنی اور علمی سنجیدگی گویا ہر ذوق ومذاق کی حامل ہے، اور قاری کو ہر طرح کی لذت اور فائدہ اس کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ تینوں تالیفات 'جمعیۃ المعارف الاسلامیۃ' سے شائع ہو کر قارئین کے لیے دستیاب ہیں۔

☆☆☆☆☆

ارشاد وتذکیر

صبر و برداشت اور اسلامی تعلیمات

مولانا محمد طارق نعمان

مصائب و آلام، مصیبتوں اور پریشانیوں پر شکوہ کو ترک کر دینا صبر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صبر کرنا مشکل کام ہے کیونکہ اس میں مشقت اور کڑواہٹ پائی جاتی ہے۔ صبر کی اس تلخی کو ختم کرنے کے لیے ایک اور صبر کرنا پڑتا ہے جسے مصابرہ کہتے ہیں۔ جب بندہ مصابرہ کے درجے پر پہنچتا ہے تو پھر صبر کرنے میں بھی لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صبر ہے۔ صبر ایک عظیم نعمت ہے جو مقدر والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ صبر مقاماتِ دین میں سے اہم مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ بندوں کی منازل میں سے ایک منزل اور اولوالعزم کی خصلت ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس نے تقوی کے ذریعے ہوائے نفس پر اور صبر کے ذریعے شہوات نفس پر قابو پالیا۔

صبر کی اہمیت وافادیت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے ہاں اس کا بے حساب اجر رکھا ہے۔ آج کا انسان دین سے دوری کی وجہ سے رب تعالیٰ کی حضوری، ایمان بالغیب یعنی مرنے کے بعد کی دنیا، قیامت، یومِ حساب اور جنت و دوزخ وغیرہ کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنا سب کچھ اس دنیا میں پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر ہم خالقِ کائنات کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس دنیا میں صبر سے کام لیں تو ہمارے زیادہ تر مسائل خود بخود ہی حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ انسان معاشرے یا خاندان میں جس بھی حیثیت یا عہدے پر ہے، ضروری نہیں کہ وہاں سب کچھ ویسا ہی ہو رہا ہو جیسا وہ چاہتا ہے۔ جب کوئی کام انسان کی مرضی ومنشا کے خلاف سرزد ہو تو یقیناً انسان غصے میں آتا ہے اور بعض اوقات غصے سے مغلوب ہو کر اس سے کچھ ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جو اس کی شخصیت کو داغ دار بنا دیتی ہیں۔

گویا گھر کے ایک عام فرد سے لے کر معاشرے کے ایک اہم رکن تک اور کسی بھی ادارے کے ایک عام آفس بوائے سے لے کر اس ادارے کے سربراہ تک ہر شخص کو خلافِ طبع و خلافِ معمول امور کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر کامیاب اس شخص کو گردانا جاتا ہے جس کی پریشانیوں سے دوسرے آگاہ نہیں ہوتے اور وہ مشکلات کو بھی ہنس کر برداشت کرنا جانتا ہے اور ایسا صرف وہی کر سکتا ہے جو صبر کی دولت سے لبریز ہو۔ دوڑ کے مقابلے میں حصہ لینے والے سبھی شرکاء تجربہ کار اور دوڑ کے اہل ہوتے ہیں، ہر ایک کو دوڑتے ہوئے کم یا زیادہ مگر تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر جیتتا صرف وہی ہے جو آخر تک صبر سے کام لیتا ہے۔

صبر صرف مشکلات پر نہیں ہوتا بلکہ امورِ اطاعت وفرمانبرداری میں بھی صبر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب پر صبر کرنے سے اس کی اطاعت پر صبر کرنا زیادہ آسان ہے۔ لہٰذا آج صبر کی اس اہمیت اور اس کی صداقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم اس معاشرے کو خوبصورت بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا و آخرت بھی سنوار سکیں۔

صبر: قرآن پاک کی روشنی میں

صبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اللہ رب العزت نے صبر سے مدد لینے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے''۔ [سورۃ البقرہ: ۲/۱۵۲]

آزمائش پر صبر اللہ تعالیٰ کی بشارت کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو مختلف طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر ان مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برداشت کر لیا جائے تو ایسے صبر والوں کو اجر کی خوشخبری اللہ خود دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں''۔ [سورۃ البقر: ۲/۱۵۶-۱۵۵]

سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۲ میں رب کی رضا جوئی کے لیے صبر کرنے والوں کو آخرت میں حسین گھر کی خوشخبری دی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''اور ہم نے اسے دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرمائی، اور بے شک وہ آخرت میں (بھی) صالحین میں سے ہوں گے''۔

صبر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا خاصہ رہا ہے۔ سورہ الانبیا کی آیت نمبر ۸۵ میں ارشاد

فرمایا: ''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو بھی یاد فرمائیں، یہ سب صابر لوگ تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے سچے پرہیزگاروں اور شدائد و آفات میں صبر کرنے والوں پر صبر کی شرط لگائی اور صبر کے ذریعہ ہی ان کی صداقت وتقوی کو ثابت کیا۔

صبر: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے متعدد ارشادات میں صبر کی اہمیت وفضیلت کو واضح فرمایا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کن کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام کی، پھر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے مقربین کی۔ آدمی کی آزمائش اس کے دینی مقام و مرتبہ (یعنی ایمانی حالت) کے مطابق ہوتی ہے، اگر وہ دین اور ایمان میں مضبوط ہو تو آزمائش سخت ہوتی ہے، اگر دین اور ایمان میں کمزور ہو تو آزمائش اس کی دینی اور ایمانی حالت کے مطابق ہلکی ہوتی ہے۔ بندے پر یہ آزمائشیں ہمیشہ آتی رہتی ہیں حتی کہ (مصائب پر صبر کی وجہ سے اسے یوں پاک کر دیا جاتا ہے) وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی بوجھ باقی نہیں رہتا۔

دل کا پھل

اولاد بڑی نعمت ہے، اولاد کے ساتھ انسانی زندگی کی رونق بحال ہو جاتی ہے اور گویا جینے کا مقصد مل جاتا ہے مگر جب کسی وجہ سے اولاد چھن جائے تو انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ اس مشکل وقت میں صبر کرنے والے کے بارے میں مسند احمد اور سنن ترمذی کی یہ روایت پیش ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے نہایت پیارے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل قبض کیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے اس پر کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اس نے تیری حمد کی اور کہا بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے لیے جنت میں ایک مکان بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد (تعریف والا گھر) رکھ دو۔

کاش کہ جلدیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں

دنیا میں مشکلات پر صبر کرنے والوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور جو بے حساب اجر وثواب ملے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز جب مصیبت زدہ لوگوں کو (ان کے صبر کے بدلے بے حساب) اجر وثواب دیا جائے گا تو اس وقت (دنیا میں) آرام وسکون (کی زندگی گزارنے) والے تمنا کریں گے: کاش! دنیا میں ان کی جلدیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں (تو آج وہ بھی اِن عنایات کے حقدار ٹھہرتے)۔ [جامع ترمذی]

صبر کی اہمیت کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کو نصف ایمان قرار دیا۔ [سنن بیہقی]

صبر کرنا دہکتے کوئلے کو مٹھی میں پکڑنے کے مترادف

صبر کہنے کو تو آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا مشکل کام ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج کے دور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: تمہارے بعد ایسے دن آنے والے ہیں جن میں صبر کرنا دہکتے کوئلے کو مٹھی میں پکڑنے کے مترادف ہے اور ایسے زمانے میں صبر کرنے والے کو اس جیسا عمل کرنے والے پچاس لوگوں کا ثواب ملے گا۔ دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا کہ پچاس اس کے زمانے کے یا ہمارے زمانے کے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ آپ کے زمانے کے پچاس لوگوں کا ثواب ملے گا۔

صبر کرنے والوں کی حضورؐ سے حوضِ کوثر پر ملاقات

غزوہ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا: عنقریب تم دیکھو گے کہ بہت سے معاملات میں لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، تم اس پر صبر کرنا حتی کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جا ملو کیونکہ میں حوض پر ہوں گا۔ انصار نے کہا ہم عنقریب صبر کریں گے۔

آخر آپ ہیں کون؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت والے دن جب

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اکٹھا کرے گا تو پکارنے والا پکارے گا۔صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ فرمایا: کچھ لوگ اٹھیں گے جو تعداد میں کم ہوں گے اور وہ جلدی جلدی جنت کی طرف جائیں گے۔ راستے میں انہیں فرشتے ملیں گے جو ان سے پوچھیں گے، ہم آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ جنت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں، آخر آپ ہیں کون؟

وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم اہلِ صبر ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے کہ آپ نے کس بات پر صبر کیا؟ وہ جواب دیں گے ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور گناہوں سے بچنے پر صبر کیا۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جائیں، بے شک صبر کرنے والوں کا یہی اجر ہے۔[ابن القیم، عدۃ الصابرین]

آپ کی جزا اور بدلہ جنت

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت یاسر، عمار بن یاسر اور ام عمار کے پاس سے گزرے، جب انہیں اذیت دی جارہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو یاسر واہلِ یاسر! صبر کرو، بے شک آپ کی جزا اور بدلہ جنت ہے۔[مسند احمد]

رب کعبہ کی قسم! تم مومن ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے پاس تشریف لائے تو پوچھا: کیا تم مومن ہو؟ وہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ انہوں نے عرض کیا: ہم آسانی میں شکر کرتے ہیں اور ابتلا میں صبر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کعبہ کے رب کی قسم! تم مومن ہو۔

صحابہ و ائمہ کے اقوال کی روشنی میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے اپنی زندگی کے بہترین اوقات حالتِ صبر میں پائے ہیں۔[امام احمد ،کتاب الزہد-ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء]

امام قشیری رسالہ قشیریہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ایمان میں صبر کا وہی مقام ہے جو بدن میں سر کا ہوتا ہے، بغیر سر کے جسم ہلاک ہو جاتا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ جس کا صبر نہیں اس کا ایمان نہیں۔ صبر ایسی سواری ہے جو کبھی نہیں بھٹکتی۔[امام غزالی، احیاء علوم الدین]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: صبر کے چار ستون ہیں: شوق، شفقت، زہد، انتظار۔

چنانچہ جو آگ سے ڈرا وہ محرمات سے دور ہوگیا اور جو آدمی جنت کا مشتاق ہوا وہ شہوات سے سلامت رہا۔ جو آدمی دنیا میں زاہد ہوا اس پر مصائب آسان ہوگئیں اور جس نے موت کا انتظار کیا اس نے بھلائیوں کی طرف جلدی کی۔ چنانچہ انہوں نے ان مقامات کو صبر کے ارکان فرمایا، اس لیے کہ یہ صبر سے نکلتے ہیں اور ان تمام ارکان میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور زہد کو ان میں سے ایک رکن قرار دیا۔

امام سلمی طبقات الصوفیہ میں حضرت حارث المحاسبی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہر شے کا جوہر ہوتا ہے، انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔

امام قشیری رسالہ قشیریہ میں اور علامہ ابن القیم مدارج السالکین میں امام علی الخواص کا صبر کے متعلق قول نقل کرتے ہیں، فرمایا: کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

حضرت ابو علی الدقاق نے فرمایا: صابرین دونوں جہانوں میں عزت کے ساتھ کامیاب ہوئے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرلی۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[ابن القیم، مدارج السالکین]

حضرت ابو حامد بلخی نے فرمایا: جس نے صبر پر صبر کیا (یعنی صبر کر کے اسے ظاہر بھی نہ ہونے دیا کہ وہ مصائب پر صبر کر رہا ہے) وہی صابر ہے نہ کہ وہ شخص جس نے صبر کیا اور (صبر کا اظہار کر کے) شکوہ بھی کر دیا۔[امام شعرانی، الطبقات الکبری]

فقیہ، صوفی اور عابد ابراہیم التیمی فرماتے ہیں: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اذیت، آفت اور مصیبت پر صبر عطا کیا گویا ایمان کے بعد اسے سب سے بڑی نعمت عطا کی۔

صبر کی شرائط میں سے ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ ہم کیسے صبر کریں گے، کس کے لیے صبر کریں گے اور صبر سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ صبر کے لیے ہمیں نیت کو درست کرنا اور اس میں اخلاص لانا ہوگا ورنہ ہمارے اور جانور کے صبر میں کوئی فرق نہیں ہوگا کیوں کہ اس پر جب مصیبت آجاتی ہے تو وہ بھی برداشت کرتا ہے مگر اسے اس بات کا پتہ نہیں ہوتا کہ اس پر مصیبت کیوں نازل ہوئی اور اس سے کیسے نمٹنا ہے اور اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں صبر کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک شخص نے اپنے بڑے بھائی کے حق میں اپنے مکان وصیت کردی، وصیت کے وقت وہ شخص لاولد تھا، اتفاق سے وصیت کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، یہ وصیت زبانی وتحریری دونوں طرح تھی اوراس نے اپنی زندگی میں وصیت سے رجوع نہیں کیا، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے کہ کیا یہ وصیت نافذ ہوگی؟ جبکہ بھتیجہ وصیت کے نفاذ سے انکار کررہا ہے، اور یہ کہہ رہا ہے کہ میرے والد نے لاولد ہونے کی وجہ سے وصیت کی تھی اور ان کی حیات ہی میں میری پیدائش ہوگئی، اس لیے اب اس کی ضرورت نہیں رہی، کیا بھتیجہ کی یہ بات شرعاً مانی جائے گی؟

جواب: مذکورہ صورت میں مرحوم کے کل متروکہ میں سے اگر مکان کی ملکیت ایک تہائی ہے تو بھائی کے حق میں وصیت درست ہے اور یہ نافذ ہوگی، علامہ ابن عابدینؒ نے صراحت کی ہے:" لو أوصیٰ لأخیه وهو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصیة لأخ".

[ردالمحتار مع الدرالمختار: ج۱۰/ص۳۳۷]

(اگر کسی نے بھائی کے حق میں وصیت کی حالانکہ وہ بھائی کا وارث ہورہا ہو، پھر وصیت کرنے والے کے لڑکے پیدا ہوئے تو بھائی کے حق میں وصیت درست ہوئی، بھتیجہ نے وصیت کی جو وجہ بیان کی ہے اگرچہ وہ درست ہو پھر بھی وصیت معتبر ہوگی اوراس کا نفاذ ایک تہائی مال کے بقدر ہوگا)۔

سوال: ایک صاحب لاولد ہیں ان کے پاس کچھ جائدادیں ہیں، وارثین میں بھتیجے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ کل جائداد ایک مدرسہ میں وقف کردیں تاکہ ان کو ثواب ملتا رہے، کیا ایسا کرنا درست ہے، کیا اس کے وارثین کو محروم کرنا لازم نہیں آئے گا؟

جواب: اگر شخص مذکور کے بھتیجے ضرورت مند نہیں ہیں اور کل جائیداد وقف کرکے ان کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے، تو شرعاً وقف کرسکتے ہیں، ورنہ بہتر ہے کہ ایک تہائی مدرسہ کے حق میں وقف یا وصیت کردیں اور بقیہ ورثاء کو مل جائیں۔

[الدرالمختار مع ردالمحتار: ج۹/ص۶۰۹]

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین ایک مسجد کے نام اس طرح وقف کردی کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین مسجد کی ہوگی اور حیات میں خود مالک ہوں گا، اب اس شخص کو اس زمین کی ضرورت پڑگئی ہے اور موت پر معلق جو وقف کیا ہے، اس کو ختم کرنا چاہتا ہے، کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: جو وقف موت پر معلق ہو، اس کی حیثیت وصیت کی ہوتی ہے جس طرح وصیت کرنے والے کو اپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے، اسی طرح موت پر معلق وقف سے بھی رجوع کا حق ہوا کرتا ہے، اس لیے شخص مذکور اپنی حیات میں اس وقف کو ختم کرسکتا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے صراحت کی ہے:" والحاصل انه اذاعلقه بموته فالصحیح انه وصیة لازمة لکن لم یخرج عن ملکه، وله أن یرجع قبل موته کسائر الوصایا".

[ردالمحتار مع الدرالمختار: ج۶/ص۵۲۹]

(خلاصہ یہ کہ اگر موت پر وقف کو معلق کرے تو مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ یہ وصیت کے حکم میں ہے جو لازم ہے لیکن شے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گی اور اسے موت سے قبل رجوع کا حق ہوگا جیسا کہ دیگر وصیتوں میں ہوا کرتا ہے)۔

سوال: اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو اور والدین کے ساتھ ناروا سلوک کرتا ہو، اس بنا پر والدین اس کو اپنی جائداد سے محروم کردینا چاہتے ہیں، اور یہ تحریر لکھ دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری جائداد میں میری فلاں اولاد جو نافرمان ہے، میراث نہ ملے اور ہم ان کو عاق کرتے ہیں، تو شرع اسلامی میں عاق کرنا درست ہے؟ اور والدین کا یہ فیصلہ صحیح ہے؟

جواب: اولاد کی سعادت اس میں ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کریں، اپنی خواہش پر والدین کی خواہش کو ترجیح دیں اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ تمام اولاد کے ساتھ داد ودہش میں انصاف کا معاملہ کریں، اگر کوئی اولاد نافرمان ہو اور والدین اپنی جائداد سے محروم کردینے کی تحریر لکھ لیں تو یہ تحریر شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور نہ قابل عمل ہوگی، اور اولاد مال متروکہ میں حصہ پائے گی، نافرمانی کی وجہ سے ان کا حصہ نہ ختم ہوگا اور نہ کم ہی ہوگا:"الارث جبری لا یسقط بالاسقاط".

[تکملہ شامی: ج۷/ص۵۰۵، کتاب الفتویٰ]

(وراثت ایک ایسی چیز ہے جو خود بخود بغیر کسی اختیار کے وارث کو حاصل ہوتی ہے، مورث یا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی ہے)۔

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۱۰ ستمبر ۲۰۲۲ء

Date 10th September 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ رفیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 8736833376
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in